فردوسِ بریں

شرر لکھنوی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

فردوس بریں

شرر لکھنوی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

© مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

Firdous-e-Bareen
by
Sharar Lucknowi
Rs.60/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔110006 ☎ 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔400003 ☎ 022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002 ☎ 0571-2706142

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: -/60 روپے

ISBN: 978-81-7587-547-0 سلسلۂ مطبوعات:1453

ناشر: ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون 9 FC-33، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

فون نمبر:49539000 فیکس: 49539099

ای میل:urducouncil@gmil.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد۔110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنّفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلبا کے لیے ''درسی کتب'' اور ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جا رہی تھیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلّی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعّال ڈائرکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطّل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آیندہ بھی شاملِ حال رہے گا۔

خالد محمود

مینیجنگ ڈائرکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

مجلسِ ادارت

(ڈاکٹر) سیّد عابد حسین (صدر)

رشید حسن خاں

(ڈاکٹر) صدیق الرحمٰن قدوائی

ضیاء الحسن فاروقی

غلام ربّانی تاباں

(ڈاکٹر) قمر رئیس

مالک رام

(ڈاکٹر) محمّد حسن

شاہد علی خاں (کنوینر)

حرفِ آغاز

پُرانی کتابیں کم یاب ہوتی جا رہی ہیں۔ جو کتابیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیش تر قابلِ اعتبار نہیں۔ عام طور سے اُن کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے۔

اِن امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جموں وکشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں، صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا۔ جو اُس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہوگا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ املا کا بھی بہ طورِ خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوب صورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں گی اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جموں وکشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اِس بات کو ممکن بنایا۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومتِ جموں وکشمیر کی مالی امداد سے مرتّب کیا ہوا کتابوں کا یہ سلسلہ اُردو زبان وادب کے فروغ میں اور اچھی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

شاہد علی خاں
(جنرل منیجر)

تعارف

اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جن ادیبوں نے اُردو ادب کو مغربی اصناف اور اسالیبِ فن سے روشناس کرایا اُن میں عبدالحلیم شرر کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی شہرت کا بڑا سبب تو دراصل اُن کے تاریخی ناول ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُن کی شخصیت بڑی ہمہ رنگ اور اُن کی صلاحیتیں بڑی متنوع تھیں۔ ناول کے علاوہ انھوں نے انشائیہ۔ ڈراما، شاعری، سوانح اور تاریخ میں بھی قابلِ قدر نگارشات یادگار چھوڑی ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم تفضل حسین اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے ملازم تھے۔ واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد وہ اُن کے ساتھ مٹیا برج چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ نو سال کی عمر میں عبدالحلیم شرر بھی مٹیا برج چلے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنے والد اور بعض دوسرے علما سے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فنِ شاعری میں علی حیدر نظم طباطبائی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے لکھنؤ اور دہلی میں مزید تعلیم حاصل کی اور انگریزی میں بھی اچھی دستگاہ پیدا کرلی۔

تعلیم کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری تھا۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۸۸۰ء میں منشی نولکشور نے اُنھیں اودھ اخبار، کا نائب اڈیٹر بنا دیا۔ اور اس میں انھوں نے مختلف موضوعات پر متعدد مضامین لکھے جو مقبول ہوئے۔ 'روح'، کے موضوع پر ان کے ایک مضمون کی سرسید نے نہ صرف داد دی بلکہ اس کا ایک اقتباس اپنے مضمون میں نقل کیا۔ ۱۸۸۶ء

میں انھوں نے بنکم چندر چٹرجی کے ایک تاریخی ناول 'درگیش نندنی' کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اور پھر ۱۸۸۶ء میں جب انھوں نے اپنا رسالہ 'دلگداز' جاری کیا تو اس میں اپنا پہلا تاریخی ناول 'ملک العزیز ورجنا' قسط وار شائع کیا۔ اس کے بعد انھوں نے 'حسن انجلینا' اور 'منصور موہنا' لکھے جو بے حد مقبول ہوئے۔

۱۸۹۳ء میں شرر نواب وقار الملک کے لڑکے کے اتالیق ہو کر انگلستان چلے گئے۔ واپس آکر وہ کچھ عرصہ حیدر آباد میں رہے اور پھر ۱۸۹۹ء میں لکھنؤ آ گئے۔ لکھنؤ پہنچ کر انھوں نے پھر 'دلگداز' جاری کیا۔ ناول 'فردوسِ بریں' انھوں نے قیامِ حیدر آباد کے زمانے میں ہی مکمل کیا تھا۔ اس کے پہلے اڈیشن کی اشاعت کا حق انھوں نے منشی نثار حسین نثار مہتمم 'پیام یار' کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔

لکھنؤ آکر وہ پورے انہماک کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ سوانحی اور تاریخی تصانیف کے ساتھ انھوں نے کم و بیش پچاس ناول اور ڈرامے لکھے ان میں سے کچھ تراجم بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے مضامین بھی آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اپنے رسالہ 'دلگداز' میں شرر نے معرّا نظم کے نمونے بھی پہلی بار اردو میں پیش کیے۔ اور اردو داں طبقہ کو انگریزی شعر و ادب کے نئے رجحانات سے متعارف کرایا۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا شرر کو تاریخ بالخصوص اسلامی تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ اپنے بیشتر ناولوں کا مواد انھوں نے تاریخ سے ہی لیا ہے۔ ان کا تاریخ کا تصور بڑی حد تک اُن کے احیا پسندانہ خیالات کا تابع تھا۔ والٹر اسکاٹ کی طرح شرر نے بھی اپنے تاریخی ناولوں میں مسلمانوں کے تہذیبی اور سیاسی عروج کی داستانیں سنا کر انھیں بیداری اور عمل کا پیغام دیا اور ان کی زندگی کو صحیح اسلامی شعائر سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی۔

شرر کے بیشتر تاریخی ناول عشق و محبّت اور مسلمان جانبازوں کی جرأت و شجاعت

کے واقعات سے معمور ہیں۔ دراصل وہ ایک طرح کے رومانی قصّے ہیں جن کی کہانیوں اور کرداروں میں ایک باشعور قاری کو اکتا دینے والی یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ اپنے ناولوں میں وہ نہ تو ماضی کی معاشرت اور ماحول کو زندہ کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ ہی ایسے جاندار اور غیر فانی کردار تخلیق ہو سکے جو مثلاً والٹر اسکاٹ کے ناولوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کے ہیرو ہمیشہ جرأت، دلیری اور تہذیب و شائستگی کا مثالی نمونہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی ہیروئن بھی مثالی نسوانی اوصاف کا مجسّمہ ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ناولوں میں اسلام اور مسلمانوں کے کارناموں کو دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں انتہائی جانب داری اور مبالغہ آرائی سے پیش کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے ان کے اکثر ناول واقعیّت سے دور اور محض تخیّلی ہو کر فنّی دل کشی سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان کے ناولوں میں صرف ایک 'فردوسِ بریں' ایسا ناول ہے جو فنّی تکمیل کے اعتبار سے کامیاب کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے نہ صرف ان کے بلکہ اردو کے تمام تاریخی ناولوں میں نمایاں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور کم و بیش تمام نقّادوں نے اس کے پلاٹ کی دل کشی اور کردار نگاری کو سراہا۔ اس ناول کی منظر نگاری اور ماحول کشی میں شرر کی صنّاعی درجۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کے تمام کردار منفرد اور جاندار ہیں۔ اور اس کے پلاٹ کی تعمیر انتہائی فطری اور متوازن ڈھنگ سے ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تمام تخلیقی صلاحیتوں اور تاریخی شعور نے اپنے مکمّل اظہار کے لیے اسی ناول کا انتخاب کیا۔

گذشتہ ستّر سال میں اس ناول کے بے شمار اڈیشن شائع ہوئے۔ لیکن جیسا کہ ہمارے یہاں ہوتا ہے، پبلشر حضرات نے اسے شائع کرتے وقت کتابت اور طباعت میں بے پروائی برتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر نئے اڈیشن میں غلطیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ کہیں کہیں بے ربط عبارت دیکھ کر کاتب صاحبان نے اپنی طرف سے تحریف و اضافہ کر دیا۔

چنانچہ آج کل بازار میں اِس ناول کے جو عام اڈیشن مل رہے ہیں وہ متن کے اعتبار سے کسی طرح بھی قابلِ اعتبار نہیں ۔

اس صورتِ حال میں کوشش کی گئی ہے کہ ' فردوسِ بریں ' کا یہ اڈیشن متن کی غلطیوں سے پاک ہو ۔ اس ناول کا اوّلین اڈیشن تو دستیاب نہیں ہو سکا ۔ لیکن تین قدیم اور مستند اڈیشنوں سے موازنہ کرنے کے بعد اس نسخہ کا متن تیّار کیا گیا ہے ۔ اُمید ہے کہ اہلِ نظر اس جدید اڈیشن کو پسند کریں گے ۔

(ڈاکٹر) قمر رئیس

پہلا باب

پریوں کا غول

اب تو ۱۲۶۵ھ ہے۔ مگر اس سے ڈیڑھ سو سال پیشتر سیاحوں اور خاصتہً حاجیوں کے لیے وہ کچّی اور اونچی نیچی سڑک نہایت ہی اندیشہ ناک اور پُرخطر تھی جو بحرِ خزر (کیسپین سی) کے جنوبی ساحل سے شروع ہوتی ہے۔ اور شہر آمل میں ہوتی ہوئی شاہنامے کے قدیم دیوستان یعنی ملک ماژندراں اور علاقۂ رود بار سے گزرتی اور کوہسارِ طالقان کو شمالاً جنوباً قطع کرتی ہوئی شہر قزوین کو نکل گئی ہے۔ مدّتوں سے اس سڑک کا یہ حال ہے کہ دن دہاڑے بڑے بڑے قافلے لٹ جاتے ہیں اور بے گناہوں کی لاشوں کو برف اور سردی مظلومی و قتل و غارت گری کی یادگار بنا کر سالہا سال تک باقی رکھتی ہے۔

ان دنوں ابتدائے سرما کا زمانہ ہے۔ سالِ گذشتہ کی برف پوری نہیں گھُلنے پائی کہ نئی تہ جمنا شروع ہو گئی۔ مگر ابھی تک جاڑا اتنے درجے کو نہیں پہنچا کہ موسمِ بہار کے نمونے اور فصلِ گل کی دلچسپیاں بالکل مٹ گئی ہوں۔ آخری موسم کے دو چار پھول باقی ہیں۔ اور کہیں کہیں ان کے عاشق و قدر دان بلبلِ بدخشانی بھی اپنی ہزار داستانی و نغمہ سنجی کے راگ سناتے نظر آ جاتے ہیں۔ یہ کوہستان عرب کے خشک و بے گیاہ پہاڑوں کی طرح برہنہ اور

دھوپ میں جھلسے ہوئے نہیں بلکہ ہر طرف سایہ دار درخت اور گھنی جھاڑیوں نے نیچر پرستوں اور قدرت کے حقیقی قدر دانوں کے لیے عمدہ عمدہ عزلت کدے اور تنہائی کی خلوت گاہیں بنا رکھی ہیں۔ اور جس جگہ درختوں کے جھنڈ تھے وہاں آسمان کے نیلے شامیانے کے نیچے قدرت نے گھاس کا سبزہ اور مخملی فرش بچھا دیا ہے جس پر بیٹھ کر کوئی شرابِ شیراز کے لطف اٹھانا چاہے تو یہاں نہر رکن آباد کے بدلے نہرِ یرنجان موجود ہے۔ جو شاید ابھی پوری ڈیڑھ صدی بھی نہیں گزری کہ رودِ سفید سے کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مختلف گھاٹیوں میں گھمائی اور آخر شہر خرم آباد کے قریب بحر خزر میں گرائی گئی ہے۔

ان ہی دلچسپیوں اور قدرت کے ان ہی نظر فریب منظروں نے اس کوہسار کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا کر دیے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنّت ان ہی گھاٹیوں میں ہے۔ اور بعض سمجھتے ہیں کہ قدیم دیوزادوں کو تو کیومرث و رستم و نریمان کے زورِ بازو نے فنا کر دیا۔ مگر ان کی یادگار میں بہت سی پریاں آج تک ان تنہائی کے مقامات میں سکونت پذیر ہیں۔ خوش عقیدہ لوگوں میں سے اکثروں نے ان پریوں کو اُڑتے دیکھا ہے۔ اور بعض سیاحوں کو تو پریوں کے بڑے بڑے ہوش ربا غول گھاٹیوں سے ناگہاں نکل پڑتے نظر آئے۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ جو کوئی یکہ و تنہا ان پریوں کے غول میں پڑ جاتا ہے فوراً مر جاتا ہے۔

مگر پریوں اور قدیم دیووں سے زیادہ ظالم ملاحدہ اور باطنیہ لوگ ہیں جو اس تمام علاقہ میں آباد اور پھیلے ہوئے ہیں اور جو پُرانے اصول اور عقائد کا مسلمان ان کے ہاتھ پڑ جاتا ہے کسی طرح جاں بر نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جمادی الاولیٰ، جمادی الآخر اور رجب کے مہینوں میں ان مظالم کی دھوم مچ جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ علاقہ ہائے ترکستان، کرغیز اور استراخان کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو جہازوں پر بحرِ خزر سے پار ہو کر اسی علاقے میں اترتے اور اسی کوہسار طالقان کو طے کرتے ہوئے ارضِ عراق کو جاتے اور پھر وہاں سے خاکِ پاکِ حجاز کا ارادہ کرتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کے مظالم کی ہر جگہ

شہرت ہوگئی ہے اور بہت سے لوگوں نے یہ راستہ چھوڑ دیا ہے۔ مگر پھر بھی بعض بے پروا مسلمان اپنی خوش اعتقادی کے جوش میں آ نکلتے ہیں۔ علی الخصوص آمل اور اس کے مضافات کے لیے تو اور کوئی راستہ ہی نہیں۔

یہ سڑک جس کا اوپر ذکر آیا۔ بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ مگر ہمارے پیشِ نظر صرف وہی حصّہ ہے جہاں یہ سڑک نہر ویرنجان کے کنارے کنارے گزری ہے۔ اس مقام سے علاقۂ رود بار کے میدان ختم ہو گئے۔ اور کوہستان کے سخت اور پیچیدہ نشیب و فراز کی ابتدا ہے۔ یہاں سے کچھ آگے بڑھ کر سڑک اور طرف گئی ہے اور نہر کوہِ البرز کے دامنوں میں چکر کھا کر دشوار گزار اور پیچیدہ گھاٹیوں میں غائب ہوگئی ہے۔

شام میں شاید چند ہی گھڑیاں باقی ہوں گی۔ آفتاب سامنے برف آلود چوٹیوں کے قریب پہونچ گیا ہے۔ اس کی کمزور کرنوں نے جو تھوڑی گرمی پیدا کر دی تھی مٹ گئی۔ اور ہوا کے سرد جھونکے جو بلند برفستان سے چلتے ہوئے آتے ہیں انسان کے لیے کپکپا دینے کو کافی ہیں۔

اس جگہ پر اور ایسی حالت میں شمال کی طرف دو مسافر سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹے اور دو بڑی بڑی گٹھڑیوں کی صورت بنائے ہوئے آہستہ آہستہ آ رہے ہیں۔ دونوں دو چھوٹے چھوٹے اور تھکے ماندے گدھوں پر سوار ہیں۔ ان کی سست روی اور مجموعی حالت سے خیال ہوتا ہے کہ کسی گاؤں کے غریب مُلّا یا فقیر ہیں جو امارت اور سپاہیانہ دونوں وضعوں سے جدا کسی دینی غرض اور تقدّس کی شان سے اس سفر کو نکلے ہیں۔ مگر نہیں وہ قریب آ گئے اور معلوم ہوا کہ نہ مُلّا ہیں اور نہ مشایخ۔ بلکہ دونوں نوعمر شریف زادے ہیں۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ ان کے لباس اور وضعِ لباس سے چاہے نہ ظاہر ہو مگر بشرے بتائے دیتے ہیں کہ کسی معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور ممکن نہیں کہ کسی نامی اور شریف گھرانے سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔

اس لیے کہ موٹے موٹے اور لمبے چوڑے کمبلوں کے نیچے جنھیں سر سے پاؤں تک لپیٹ لیا ہے، دونوں شرفائے آمل کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ مرد جس کی ابتدائے جوانی ہے۔ ایک خوبصورت نوجوان ہے۔ یہ ایک اونی کفتان پر بڑا پوستین کا لبادہ پہنے ہے۔ سر پر قدیم لمبی ترکی ٹوپی ہے۔ جو بانس کی تیلیوں سے ایک مخروطی صورت میں بنا کر بکری کی سیاہ کھال سے مڑھ دی گئی ہے۔ ٹوپی پر عمامہ ہے اور اس کے کئی پیچ سر سے نیچے اتر کر کانوں اور گلے میں بھی لپٹے ہیں۔ پاؤں میں موزے اور ایک اونی پاجامہ ہے۔ کمر میں چمڑے کی پیٹی کسی ہے جس میں خنجر لگا ہے اور تلوار لٹک رہی ہے۔ اس نوجوان کے پاس کمان اور تیروں کا ترکش بھی ہے مگر اس عہدِ قدیم کے یہ ضروری اسلحے گدھے کی زین میں بندھے ہیں اور یہی ایک حربہ ہے جس کے ذریعے سے شکار کر کے یہ دلاور نوجوان اپنے اور اپنی دلربا ہم سفر کے لیے قوتِ لایموت حاصل کرتا ہے۔ الغرض ایک گدھے پر تو یہ نوجوان سوار ہے اور دوسرے پر ایک اٹھارہ انیس برس کی پری جمال ہے۔ موٹے موٹے کپڑے اور بھدّے پوستین اس کے زاہد فریب حسن کو بہت کچھ چھپا رہے ہیں مگر ایک مہ وش کی شوخ ادائیاں کہیں چھپائے چھپی ہیں۔ جس قدر چہرہ کھلا ہے۔ حسن کی شعاعیں دے رہا ہے اور دیکھنے والے کی نظر کو پہلا ہی جلوہ یقین دلا دیتا ہے کہ ایسی نازنین و حسین پھر نظر نہ آئے گی۔ ہماری آفت روزگار مہ جبین ایک زرد ریشمی پائجامہ پہنے ہے۔ جو اوپر سے نیچے تک ڈھیلا اور پاؤں کے گٹوں پر خوشنما چنٹ کے ساتھ بندھا ہے، گلے میں دیبائے سرخ کا ایک کرتہ ہے اور سر پر نیلی اور پھول دار اطلس کی خمار۔ لیکن یہ سب کپڑے ایک گرم اور پھولے پھولے پوستین کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ جو چیز کہ اس کے عورت ہونے کو عام طور پر ظاہر کر رہی ہے وہ چھوٹی چھوٹی سینکڑوں چوٹیاں ہیں۔ جو خمار کے نیچے سے نکل کر ایک شانے سے دوسرے شانے تک ساری پیٹھ پر بکھری چلی گئی ہیں۔ اور راستہ کے نشیب و فراز یا گدھے کی تیز روی سے بار بار کھُل جاتی ہیں۔

اس دلربا لڑکی کے حسن و جمال کی تصویر دکھانا مشکل ہے۔ مگر غالباً یہ چند باتیں مشتاق دلوں میں آرزومند نگاہوں کے سامنے اس کے زاہد فریب چہرے کا ایک معمولی خاکہ قائم کرسکیں۔ گول آفتابی چہرہ جیسا کہ عموماً پہاڑی قوموں میں ہوتا ہے۔ اور کھنچے ہوئے سُرخی کی جھلک دینے والے گال، بڑی بڑی شربتی آنکھیں، لمبی نوکدار پلکیں، بلند پیشانی مگر کسی قدر پھیلی ہوئی، نازک نازک اور خمدار ہونٹ، باریک اور ذرا پھیلی ہوئی باچھیں چھوٹے سے سانچے میں ڈھلی ہوئی نوک دار ٹھڈی شرگیں اور معمولاً جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ شوخ اور بے چین چشم و ابرو اور اس تمام سامانِ حسن کے علاوہ تمام اعضاء و جوارح کا غیر معمولی تناسب ہر شخص کو بے قرار کر دینے کے لیے کافی ہے۔

یہ دونوں نوعمر مسافر چاروں طرف کے منظروں کو دیکھتے ہیں۔ اور مقامی دشواریوں کی وجہ سے دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور خاموش ہیں۔ دن کے آخر ہوجانے کے خیال سے ان کے نازک چہرے جنھوں نے ابھی تک تجربہ کی پختگی نہیں حاصل کی، پریشان ہونے لگے ہیں۔ مگر اس پر بھی خموشی کا قفل نہیں کھلتا۔ ناگہاں کسی فوری جذبات سے مغلوب ہوکر نازنین نے ٹھنڈی سانس لی اور باریک دلفریب آواز میں پوچھا "آج کون دن ہے؟"

نوجوان۔ (چپکے ہی چپکے حساب لگاکر) جمعرات۔

لڑکی۔ (حسرت آمیز لہجہ میں) تو ہمیں گھر چھوڑے آج پورے آٹھ دن ہوئے (ذرا تامّل کرکے) خدا جانے کہ لوگ کیا کیا باتیں کہتے ہوں گے اور کیسی کیسی رائیں قائم کی جاتی ہوں گی۔

نوجوان۔ یہی کہتے ہوں گے کہ حج کے شوق نے ہم سے وطن چھڑا دیا۔

لڑکی۔ (پھر ایک آہ سرد بھرکر) مجھے الزام بھی دیتے ہوں گے کہ نامحرم کے ساتھ چلی آئی۔

نوجوان۔ زمرّد! (اس لڑکی کا نام ہے) اب میں نامحرم نہیں ہوں۔ دو ہی چار روز میں ہم قزوین پہونچ جائیں گے۔ اور وہاں پہونچتے ہی نکاح ہو جائے گا۔

زمرّد۔ (پھر ٹھنڈی سانس لے کر) خدا جانے وہاں تک پہونچنا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں! راستہ کی دشواریاں مشہور رہی ہیں۔ کوئی خوش نصیب مسافر ہوتا ہوگا جو پریوں کے ہاتھ سے بچ کر نکل جاتا ہو اور اگر ان سے بچ بھی جائے تو ملاحدہ[1] کیوں چھوڑنے لگے۔ زمرّد میں اس وقت غیر معمولی تغیّر پیدا ہو گیا ہے۔ اس مقام نے اسے کوئی خاص یاد دلا دی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چاروں طرف کے منظر کو ہر طرف سے مڑ مڑ کر دیکھ رہی ہے۔ اور بار بار آہِ سرد بھرتی ہے۔

نوجوان نے اس بات کا خیال بھی نہیں کیا اور معمولی لہجہ میں کہنے لگا۔

"ملاحدہ کی طرف سے تو مجھے اطمینان ہے اس لیے کہ ان کے مشہور نقیبِ آمل ملّا حسبتہ اللہ سے مجھے ایک خط مل گیا ہے، وہ خط ہمیں ایک مجرّب تعویذ کا کام دے گا، اور اسے نذر کرتے ہی ہم قرمطی کے دستِ ستم سے نجات پائیں گے۔

یہ باتیں کرتے کرتے دونوں نوعمر مسافر اس مقام پر پہنچے جہاں سے سڑک تو کوہسار کی بلندی پر چڑھنا شروع ہوتی ہے اور نہر اس سے جدا ہو کر دشوار گزار گھاٹیوں اور گھنی خاردار جھاڑیوں میں گھسنے کے لیے داہنی طرف مڑ گئی ہے۔ نوجوان نے اپنے گدھے کو سڑک پر آگے بڑھایا ہی تھا کہ زمرد باگ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا۔ "نہیں حسین"۔ (یہ اس نوجوان کا نام ہے)

حسین۔ (حیرت سے زمرّد کی طرف دیکھ کر) "پھر کدھر؟"۔

زمرّد۔ جدھر نہر بہہ رہی ہے۔

---

[1] ملاحدہ۔ یہ قراطہ اور خاصتہً باطنیہ کا عام لقب تھا۔

حسین۔ ادھر تو راستہ نہیں ۔
زمرّد ۔ تم چلو تو سہی ۔
حسین ۔ آخر قزوین چلتی ہو یا کہیں اور ؟ ۔
زمرّد ۔ نہیں، میری منزلِ مقصود قزوین نہیں ۔ مجھے تو دیکھنا ہے کہ یہ نہر کدھر گئی ہے ۔
حسین ۔ اس طرف تو پریوں کا نشیمن ہے ۔
زمرّد ۔ ہونے دو ۔
حسین ۔ سنتا ہوں کہ کوئی ادھر سے زندہ بچ کر نہیں آتا ۔
زمرّد ۔ یہی میں بھی چاہتی ہوں ۔
حسین نے تعجّب اور حیرت سے زمرّد کی صورت دیکھی ۔ اور ایک متانت کی آواز سے کہا "اور وہ حج کی نیّت کیا ہوئی ؟"
زمرّد ۔ ہے مگر اپنے بھائی موسیٰ کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ لوں تو مکّہ معظّمہ کا ارادہ کریں ۔
حسین ۔ تمھارے بھائی کی قبر۔ مگر یہ کسے خبر کہ کہاں ہے ؟
زمرّد ۔ مجھے معلوم ہے راستہ بھی جانتی ہوں اور اس مقام کو بھی ۔
حسین ۔ (حیرت سے) تم ؟ تم کیا جانو ؟
زمرّد ۔ خوب جانتی ہوں ۔
حسین ۔ کیا کبھی آئی تھی ؟ ۔
زمرّد ۔ نہیں مگر یعقوب جو بھائی موسیٰ کے مرنے کی خبر لایا تھا ۔ اس سے پورا پتہ دریافت کر چکی ہوں پہلی نشانی تو یہ ہے کہ جہاں سے نہر سڑک سے علیٰحدہ ہوئی ہے ۔ سڑک چھوڑ کر نہر کے کنارے کنارے جانا چاہیے اور بعد کی نشانیاں آگے چل کر

بتاؤں گی ۔

حسین ۔ یعقوب کو کیا معلوم، کون کہہ سکتا ہے کہ ان بلند اور پیچ در پیچ پہاڑوں میں کون شخص کہاں اور کیوں کر مارا گیا ۔

زمرّد ۔ تم نہیں جانتے بھائی موسیٰ اور یعقوب دونوں ساتھ تھے، اس مقام پر پہنچ کر نہر کے کنارے کنارے کچھ دور گئے تھے کہ کوہِ البرز سے پریوں کا غول اُترا ۔ ان کے ہاتھ سے بھائی تو مارے گئے اور یعقوب غش کھا کر گر پڑے ۔ دوسرے دن جب اسے ہوش آیا تو بھائی کی لاش پڑی پائی ۔ انھیں دفن کیا پھر قبر بنا کر اور قبر کے پاس ہی ایک چٹان پر ان کا نام کندہ کر کے واپس آیا ۔

حسین ۔ مجھے تو غیب معلوم ہوتی ہے ۔ آخر اس کا سبب کیا کہ پریوں نے یعقوب کو زندہ چھوڑ دیا اور تمھارے بھائی مارے گئے ؟

زمرّد ۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بھائی نے ایک پری کا ہاتھ پکڑ لیا تھا ۔ اور یعقوب بزدل تھا ۔ پریزادوں کو دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑا ۔

حسین ۔ پھر ایسے مقام میں تو ہرگز نہ جانا چاہیے ۔

زمرّد ۔ نہیں میں ضرور جاؤں گی ۔

حسین ۔ فرض کرو کہ ہم وہاں پہونچے اور ہمارے سامنے پریاں اُتریں تو ۔

زمرد ۔ میں تو اس سے نہیں ڈرتی ۔ اگر تمھیں خوف ہے تو نہ چلو ۔

حسین ۔ تم اکیلی جاؤ اور میں نہ چلوں ! میں جو تمھاری محبت میں ہر وقت جان دینے کو تیار ہوں ۔

زمرّد ۔ حسین ! سنو ۔ میں تمھارے ساتھ نہ آتی ۔ مانتی ہوں کہ تم شریف ہو اور اس زمانہ سے جبکہ ہم دونوں مکتب میں ساتھ پڑھتے تھے مجھے تم سے محبت ہے ، مگر یہ نہ سمجھو کہ ایک شریف لڑکی کو تم فقرہ دے کے گھر سے نکال لائے ۔ میں خود

شوق سے آئی ہوں فقط اتنی اُمید پر کہ بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر دو آنسو بہاؤں گی۔ جب یہ مقصد پورا ہو لے گا تو حج کو چلوں گی۔

حسین۔ زمرّد! اپنی جوانی اور اس کمسنی پر ترس کھاؤ اور اس ارادے سے باز آؤ۔

زمرّد۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اسی آرزو کے لیے بے عزّتی گوارا کی ہے۔

حسین۔ (مایوسی کی آواز سے) خداوندا! اگر جان ہی جانی ہے تو پہلے میں مارا جاؤں۔

زمرّد۔ تیری مصیبت ان آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی۔ (مسکرا کر کہا) گھبراؤ نہیں ہم دونوں کی کشش ایک دوسرے کو کھینچ لے گی۔ مارے گئے تو دونوں مارے جائیں گے۔

یہ کہہ کر زمرّد نے اپنے گدھے کو نہر ویرنجان کی طرف موڑا۔ دو ہی قدم چلی ہو گی کہ حسین نے پھر روک کر کہا۔ زمرّد، ذرا صبر کرو۔ چلنا ہے تو کل چلنا۔ اب شام ہوا چاہتی ہے پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی۔

زمرد۔ بس اب چلے ہی چلو کہیں آبادی ملنے کی تو امید نہیں اور جب جنگل ہی میں ٹھہرنا ہے تو یہاں وہاں دونوں جگہ برابر ہے۔

حسین سے کسی طرح انکار کرتے نہ بنی۔ چل کھڑا ہوا۔ اور دل میں پس و پیش کرتا ہوا زمرد کے ساتھ کوہِ البرز کی تیرہ و تاریک گھاٹی میں گھسا۔ اب دونوں آہستہ آہستہ چلے جاتے ہیں۔ اور اس سنسان مقام کا رعب دلوں پر اس قدر بیٹھ گیا ہے کہ بالکل خاموش ہیں۔ جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، جنگل گھنا ہوتا جاتا ہے۔ سردی ساعت بساعت بڑھ رہی ہے، سناٹے نے نہر کے بہنے کی آواز زیادہ تیز کر دی ہے۔ جس سے اس مقام کے وحشت ناک منظر میں ایک ہیبت پیدا ہو گئی ہے۔ اب راستہ دشوار ہے۔ گدھوں سے اترنا پڑا۔ دونوں آگے پیچھے اپنے گدھے کے دہانے پکڑے چٹانوں سے

بچتے اور جھاڑیوں میں گھستے چلے جاتے ہیں۔ آخر دیر کے سکوت کے بعد حسین نے مرعوب ہو کر کہا۔" بے شک دیو پری ایسے ہی سناٹے کے مقام میں رہتے ہیں۔ انسان کیا معنی یہاں تو جانور کا بھی پتہ نہیں۔"

زمرّد۔ ہاں اور سنتی ہوں کہ اس نہر میں اکثر جگہ پریاں نہاتی اور بال کھولے ہوئے آپس میں کھیلتی اور چھینٹیں اُڑاتی بھی نظر آجایا کرتی ہیں۔

حسین (چونک کر) ایں! یہ آواز کیسی تھی جیسے کوئی چیز سن سے کانوں کے پاس سے آ کے نکل گئی۔

زمرّد۔ یہ مشہور بات ہے کہ پریوں کے تخت چاہے اڑتے نہ نظر آئیں مگر ان کے سن سے نکل جانے کی آواز ضرور سُنائی دیتی ہے۔

حسین۔ یہ بھی ممکن ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ کوئی جانور تھا۔

زمرّد۔ جانور ہوتا تو دکھائی نہ دیتا۔

حسین۔ اگرچہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا۔ مگر یہاں تم دیکھ رہی ہو کہ شام سے بھی زیادہ اندھیرا ہے۔ ایسے دھندلکے میں بعض اوقات اُلّو یا بڑے بڑے چمگادڑ بھی اسی طرح سناٹے کی آواز سے اُڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

زمرّد۔ لیکن اصل میں یہ بھی وہی پری زاد ہیں جو مختلف جانوروں کی صورت میں رات کو نکلتے ہیں۔

حسین۔ ہوگا۔ اتنا کہہ کر اس نے گرد کے سین کو وحشت اور بزدلی کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور نہایت پریشانی کی آواز میں کہا۔" شام ہوا چاہتی ہے اور تمھارے بھائی کی قبر کا کہیں پتہ نہیں۔"

زمرّد۔ مگر میں تو بھائی کی قبر تک پہنچے بغیر دم نہ لوں گی۔ یہ کہتے ہی ایک نہایت تاریک گھاٹی نظر آئی جس میں نہر تو گئی ہے۔ مگر دونوں جانب ایسی چکنی

اور کھڑی چٹانیں ہیں کہ انسان کا گزرنا بہت دشوار ہے۔ اس گھاٹی کی صورت دیکھتے ہی زمرّد ایک شوق اور بے خودی کی آواز میں چلا اُٹھی، ہاں، دیکھو یہ دوسری علامت ہے۔ اسی میں سے ہو کر راستہ گیا ہے۔

حسین۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر سے ہم جائیں گے کیونکر؟۔

زمرّد۔ جس طرح بنے جاؤں گی ضرور۔

حسین۔ اور یہ گدھے؟

زمرّد۔ ان کو یہیں چھوڑ دو۔ واپس آ کے لے لینا۔

حسین نے اس مستقل مزاجی اور دُھن پر زمرّد کو تعجّب کی نگاہ سے دیکھا پھر گدھے درختوں سے باندھے اور دونوں چٹانوں سے چمٹے اور ہاتھوں سے پتّھروں کے سروں اور رخنوں کو پکڑتے ہوئے آگے روانہ ہوئے۔ کوئی دو گھڑی یہ محنت کا سفر کیا ہوگا کہ گھاٹی ختم ہو گئی جس سے نکلتے ہی دونوں نے حیرت سے دیکھا کہ نہر دیرنجان اس گھاٹی سے گزر کر یکایک ایک نہایت ہی فرحت بخش مرغزار میں بہنے لگی ہے۔ عجب لطف کا مقام تھا۔ قدرت نے خود ہی چمن بندی کر دی تھی۔ شگفتہ اور خوش رنگ پھولوں کے تختے دور دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ نغمہ سنج طیور بھی یہاں کثرت سے نظر آئے جو ہر طرف شاہدانِ چمن کے حسن و جمال پر صدقے ہوتے پھرتے تھے۔ شام ہو رہی تھی اور یہ جوش میں بھرے ہوئے عاشقانِ شاہدِ گل اپنے معشوقوں کو آخری الوداع کہہ رہے تھے۔ یہ سماں دیکھتے ہی زمرّد نے خوش ہو کر کہا "اب ہم اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ اسی وادی میں بھائی موسیٰ مارے گئے اور یہیں کہیں ان کی قبر بھی ہو گی"۔ یہ کہہ کر زمرد ایک نازک بدن اور چست چالاک ہرنی کی طرح چاروں طرف دوڑی اور ایک بڑے پتھر کے پاس ٹھہر کر چلّائی "آہ یہی میرے بھائی کی قبر ہے"۔

اس آواز کے سنتے ہی حسین ادھر دوڑا گیا۔ اور دیکھا کہ ایک چٹان پر موسیٰ

نام کھدا ہوا ہے۔ اور اس کے قریب ہی چند پتھروں کو برابر کر کے ایک قبر کی صورت بنا دی گئی ہے۔ دونوں نے یہاں کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کی مگر زمرد کے دل پر حسرت و اندوہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ فاتحہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ گر پڑی اور قبر سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ حسین نے بہت کچھ تسلّی دی، نہر سے پانی لا کر مُنہ دُھلایا۔ اور رات کے اندھیرے میں اپنی حوروش معشوقہ کو اپنی گود میں لے کر بیٹھا۔ اور سمجھانے لگا۔

زمرد۔ (ہچکیاں لے لے کر) حسین مجھے اپنی زندگی کی امید نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہیں مروں گی، ہاتھ پاؤں سن سنا رہے ہیں۔ کلیجہ میں میٹھا میٹھا درد ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے۔ مگر مرنے سے پہلے تم سے ایک وصیت ہے۔ مر جاؤں تو میری لاش کو بھی انھیں پتھروں کے نیچے دبا دینا جن کے نیچے بھائی موسیٰ کی ہڈیاں ہیں۔

حسین۔ (نہایت مستقل مزاجی سے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں آنسو پی کر) یہ وصیت اگر پوری ہونے والی ہوگی تو اور کے ہاتھ سے پوری ہوگی۔ میں تمھارے بعد زندہ نہیں رہ سکتا اور جس کے ہاتھوں یہ وصیت پوری ہوگی وہ تمھارے ساتھ میری ہڈیوں کو بھی انھی پتھروں کے نیچے دبا دے گا۔

زمرد۔ (خوشامد کے لہجہ میں) نہیں حسین ایسا نہ کرنا۔ تم کو ابھی نہیں معلوم کہ مجھے کیا چیز یہاں کھینچ لائی۔ نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ بھائی کی محبت ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ یعقوب کے بیان میں کوئی جادو تھا مگر جس روز اس نے بھائی موسیٰ کی حسرت نصیب داستان سنائی اس کے دوسرے ہی دن میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے بھائی اسی وادی میں کھڑے ہیں۔ خواب ہی میں انھوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا اور تاکید کر کے کہا کہ میری قبر پر آ کر فاتحہ پڑھ۔ مرحوم بھائی نے کچھ ایسی موثر وضع سے بلایا تھا کہ ان کی اس وقت کی صورت اس وقت تک میری

آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میں یہاں بھائی کی بلائی ہوئی آئی ہوں۔

حسین۔ (وفورِ گریہ سے بے اختیار ہو کر ایک بے انتہا جوش کے ساتھ) خیر تمھیں تو انھوں نے خواب میں بلایا ہے اور تم مجھے خود اپنے ساتھ لائی ہو۔

زمرد۔ ہاں میں تم کو ساتھ لائی ہوں اور اسی سبب سے کہ اس دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں اور میری تمنّا ہے کہ تمھارے پہلو میں تمھاری آنکھوں کے سامنے جان دوں۔ اس کے بعد تم گھر جاؤ۔ اور وہاں عزیزوں اور شہر کے دیگر شرفا کے نزدیک جو بے عزتی ہوئی ہے۔ اس کو دور کرو اور میری خبرِ مرگ کے ساتھ جا کر بتاؤ کہ میں نے کیوں اور کہاں جان دی۔ اور مرتے وقت تک ایسی پاک دامن تھی۔ (گلے میں باہیں ڈال کر) حسین! میری آرزو ہے کہ زندہ رہو، اور میرے دامن سے بدنامی کا دھبّہ دھوؤ۔

حسین۔ (ایک نالۂ جانکاہ کے ساتھ) خدا نہ کرے کہ میں تمھاری خبرِ مرگ لے جاؤں۔

ناگہاں ایک پہاڑی کی ڈھالو سطح پر کچھ روشنی نظر آئی۔ جس پر پہلے زمرد کی نظر پڑی۔ اور اس نے چونک کر کہا "یہ روشنی کیسی؟"

حسین نے بھی اس روشنی کو حیرت سے دیکھا اور کہا "خدا جانے کیا بات ہے اور دیکھو اِدھر ہی بڑھتی چلی آتی ہے۔ اس رات کی تاریکی میں یہاں آنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

دونوں عاشق و معشوق روشنی کو گھبرا گھبرا کر اور ساعت بساعت زیادہ متحیّر ہو کے دیکھ رہے ہیں کہ وہ بالکل قریب آ گئی۔ بڑی بڑی پندرہ بیس مشعلیں تھیں

اوران کے نیچے حسین و پری جمال عورتوں کا ایک بڑا غول جن کی صورت دیکھتے ہی زمرّد اور حسین دونوں نے ایک چیخ ماری دہشت زدگی کی آواز میں دونوں کی زبان سے نکلا۔

"پریاں"

اور دونوں غش کھا کر بے ہوش ہو گئے۔

دوسرا باب

پیاری زمرّد! تو کہاں گئی؟

بہ مَے سجادہ رنگین کُن گرت پیرِ مغاں گوید

صبح کا وقت تھا اور نسیم کے جھونکے چل رہے تھے کہ مرغانِ سحر نے اپنے اپنے نشیمنوں سے نکل نکل کر حسین کو خواب بے ہوشی سے جگا دیا۔ خمار کی سی کروٹیں بدل کر آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا۔ اور چاروں طرف مڑ مڑ کر دیکھا۔ مگر زمرّد کا کہیں پتہ نہ تھا۔ جب معشوقۂ دلرُبا کی پیاری، اور محبت بھری صورت کسی طرف نظر نہ آئی تو کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ ناتوانی اور سر پھرنے کی وجہ سے کئی دفعہ گر کر اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا چلا۔ آس پاس ہر جگہ دیکھا۔ ہر طرف نظر دوڑا دوڑا کر ڈھونڈا لیکن نازنین و ناز آفریں زمرّد کا کہیں نام و نشان نہیں۔ آخر ہر طرف سے مایوس ہو کر اور جستجو میں تھک کر موسیٰ کی قبر کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اور نہایت ہی حسرت و اندوہ کے عالم میں آنسو بہا بہا کر کہنے لگا۔

"پیاری زمرّد تو کہاں گئی؟ آہ! کیا آسمان و زمین کھا گئے۔ یا رات کی پریاں تجھے بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔" اتفاقاً موسیٰ کی قبر پر نظر پڑی اور یہ دیکھ کر متعجب ہوا کہ قبر

کچھ بدلی ہوئی سی ہے اور دو ایک پتھر زیادہ ہیں جو کل شام تک نہ تھے۔ حیرت کم نہیں ہوئی تھی کہ اس چٹان پر نظر گئی جس پر موسیٰ کا نام کندہ تھا۔ اور اس کتبہ میں کچھ تغیر دیکھ کر غور سے پڑھنے لگا کسی قدر بلند آواز میں اس کی زبان سے نکلا "موسیٰ اور زمرّد" اور اس کے ساتھ ہی چیخ مار کر وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ غم واندوہ کے فوری جھٹکے پر طبیعت پھر غالب آئی۔ ہوش آیا اور دل میں کہا افسوس وہی ہوا جو زمرّد کہتی تھی، وہ مر گئی۔ اور میں زندہ ہوں، آہ! پریاں بڑی ظالم ہیں۔ اسے مار ڈالا اور مجھے نیم جاں چھوڑ گئیں۔ آہ! وہ تو میری جان تھی۔ پھر اس کے بغیر میں کیوں زندہ ہوں۔ یہ کہہ کر اسی چٹان سے ٹکرانے لگا جس پر دونوں بہن بھائیوں کے نام کندہ تھے۔ دل میں آئی کہ قبر کھول کر اپنے آپ کو بھی اس میں دفن کر دے بلکہ اس ارادے سے چلا تھا کہ مذہب کے فرشتے نے کان میں کہا "یہ دین کے خلاف اور مرنے والوں کی توہین ہے" فرشتۂ غیب کی یہ آواز سنتے ہی اس نے زور سے چلا کر کہا "تو آہ! پھر میں کیا کروں" یہ کہہ کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ دیر تک تڑپنے اور نالہ وزاری کے بعد اُٹھا اور دوڑ کر موسیٰ کی قبر سے لپٹ گیا۔ اب وہ اسے زمرّد کی قبر سمجھتا تھا۔ اور جس طرح کوئی کسی زندہ شخص کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح اس قبر کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا۔

"پیاری زمرّد! مرنا اپنے اختیار میں نہیں! خودکشی حرام ہے اور جینا بے سود و بے مزہ لیکن کب تک، مرنا برحق ہے۔ اور موت ایک دفعہ ضرور آئے گی۔ پھر اس کا انتظار اسی جگہ کیوں نہ کروں۔ زندگی کے ان باقی دنوں میں تیری قبر میری مونس وجلیس ہوگی اور تیرا خیال میرا باوفا معشوق۔ بس اب میں یہیں رہوں گا۔ اور یہیں مروں گا۔ ہائے جس طرح تیرے بھائی نے تجھے اپنے پاس بلا لیا۔ اسی طرح تو بھی مجھے بلا لے تیری وصیت مجھ سے نہیں پوری ہو سکتی۔ اب میں یہیں کا ہوں۔ کیا عجب کہ ان پریوں کا پھر کبھی ادھر گزر ہو، وہ بڑی آسانی سے مجھے تیرے پاس پہونچا دیں گی"

دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد حسین کو کسی قدر تسکین سی ہوگئی۔ قبر پر سے اُٹھ کر نہر کے کنارے گیا۔ پُرنم آنکھوں پر پاک وصاف پانی کے چھینٹے دیے، وضو کیا اور قبر کے برابر کھڑے ہوکر چند نفل رکعتیں ادا کیں۔ پھر بیٹھ کر انتہائی خضوع وخشوع کے ساتھ زمرّد کے لیے دعائے مغفرت کرنے لگا۔ اور ہمیشہ کے لیے یہیں سکونت اختیار کر لی۔

حسین نے کچھ ایسے مضبوط دل سے اپنے لیے یہ زندگی اختیار کی تھی اور موت کی دعا مانگنے یا جانستان پریوں کے انتظار میں اسے کچھ ایسا مزا ملنے لگا تھا کہ اب اسے نہ وطن یاد ہے نہ وہ ارادۂ حج۔ زمرّد کا خیال اس کا قبلہ اور مشترک قبر اس کی مسجد۔ جنگل کی گھاس پات اور کبھی کبھی چڑیوں کے شکار پر زندگی بسر ہوتی ہے اور پیامِ مرگ کا ہر گھڑی انتظار رہتا ہے۔ جب کبھی اندوہ وغم کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو اپنی نازنین معشوقہ کی قبر سے لپٹ کر اور رو دھو کر دل کی بھڑاس نکال ڈالتا ہے۔

اسی حالت میں رہتے اور موسیٰ اور زمرد کی تربت کا مجاور بنے اسے چھ مہینے گزر گئے۔ جاڑوں کا پورا موسم انہی پہاڑوں پر بسر ہوا جہاں ایک عرصہ تک ان مظلوم شہیدانِ حسرت کی قبر پر برف کی چادر چڑھی رہی۔ موسم کی سخت سردی اور برف باری اس نے صبر وشکر کے ساتھ جھیل لی۔ اب بہار کا زمانہ ہے۔ اور ہر طرف پہاڑوں کی پہلو نشین وادیاں اور یہ سارا مرغزار پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہوا کے جھونکے ہمیشہ معطّر ومشکبار رہتے ہیں اور دل کا ولولہ ساعت بساعت زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ حسین کا غم اب پہلے سے زیادہ جوش وخروش پر ہے۔ اب اس بہار اور پھولوں کو دیکھ کر اُسے پریوں کے آنے کا زیادہ یقین ہے۔ اور ان ظالم پریوشوں کے انتظار میں بے صبری اور بے چینی پیدا ہو چلی ہے۔ روز رو رو کر کہتا ہے۔ افسوس موسیٰ اور زمرّد کا کام تو پریوں نے ایک ہی دن میں تمام کر دیا اور میں ایسا بدنصیب ہوں کہ انتظار میں چھ مہینے گزر گئے اور وہ گویا اِدھر کا راستہ ہی بھول گئیں۔ ایک دن وہ صبح کو سو کے اٹھا تو خلاف معمول زمرّد کی قبر پر ایک کاغذ پڑا ملا۔ حیرت وشوق سے دوڑ کر اسے

اُٹھالیا۔ اور پڑھا تو چند لمحہ تک نقشِ حیرت بنا کھڑا رہا۔ بار بار تحریر کو غور کر کے دیکھتا اور کہتا "نگاہ تو غلطی نہیں کر رہی ہے" مگر ساعت بساعت یقین ہوتا جاتا کہ خاص زمرّد کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ اس خط کی عبارت یہ تھی۔

"حسین میں اس عالم میں نہایت ہی خوش ہوں۔ یہاں کی مسرتیں تیرے وہم و قیاس سے بالا ہیں۔ میں اسی باغ میں ہوں جس کا قرآن اور تمام کتبِ سماوی میں ہر مسلمان اور خدا شناس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ سب لذتیں مجھے خدا کی مہربانی سے حاصل ہیں۔ زہرہ و مشتری جن کی شعاعیں تجھے دور سے نظر آتی ہیں میری انیس و جلیس ہیں۔ ان کا قصہ تو نے سُنا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ اس عالمِ نور اور اس مرکزِ لاہوت کی مسرتیں کتنی دل فریب ہیں کہ انھیں ہاروت و ماروت کی جانبازی کا خیال بھی نہیں آتا۔ مگر میں یہاں بھی تیرے لیے حیران اور تجھ سے ملنے کی مشتاق ہوں۔ فرشتوں اور دیگر آسمانی روحوں کے ذریعے سے مجھے برابر معلوم ہوتا رہا کہ تو میری قبر کا مجاور بنا بیٹھا ہے۔ وہ مادّی کشش جو ایک عرصہ تک رُوح کو عالمِ عناصر کی طرف متوجّہ رکھتی ہے۔ مجھے بارہا میری قبر پر لے گئی۔ میں نے تجھے اپنی قبر سے لپٹ کر روتے دیکھا اور خود بھی تیرے ساتھ گھنٹوں کھڑی رویا کی۔ مگر افسوس نہ تیری دنیاوی آنکھیں میری صورت دیکھ سکتی تھیں اور نہ تیرے مادّی کان میرے رونے کی آواز سن سکتے تھے۔ تو ناحق موت کا منتظر ہے۔ ابھی تجھے بہت دنوں دنیا میں رہنا ہے۔ وہ وقت دور ہے جبکہ مجھے تیرے وصال کی خوشی حاصل ہوگی۔ وہ باغ جہاں تو ہے پریوں کا نشیمن ہے مگر تیرے سبب سے وہ وہاں نہیں آسکتیں اور چونکہ ابھی تیرے مرنے کا وقت نہیں آیا لہٰذا تجھے قتل بھی نہیں کرسکتیں۔ یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی طرح بھی اپنی تعزیج گاہ کو تجھ سے خالی نہیں کرا سکتیں مجبوراً خود انہیں کو اپنا نشیمن چھوڑ دینا پڑا۔ افسوس تو نے میری وصیّت پر عمل نہ کیا۔ بدنام کرنے والے اور میرے نام پر تہمت لگانے والے اسی طرح ذلیل کر رہے ہیں۔ جن کے افترا اور طومار مجھے ستاتے ہیں۔ اسی وجہ

سے میں تجھے پھر اپنی وصیّت یاد دلاتی ہوں۔ اور نہایت ہی آرزو کے ساتھ کہتی ہوں کہ جا اور میری وصیّت پوری کر، تجھ سے دور اور تیری دلدادہ۔

زمرّد"

حسین نے ہزارہا دفعہ اس خط کو پڑھا۔ اس کی طرزِ تحریر، خط اور الفاظ کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، کسی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا مضمون ہے "ایک دفعہ گھبرا کر بولا۔ کیا زمرّد زندہ ہے؟ پھر آپ ہی کہنے لگا۔ نہیں یہ ممکن نہیں کہ وہ ہی لکھ رہی ہے، کہ دوسرے عالم میں ہے۔ اور فردوسِ بریں کی سیر کر رہی ہے۔ پھر یہ خط کیونکر آیا اور کون لایا۔

دیر تک غور کرتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پہلے دل میں آئی کہ زمرّد کی ہدایت کے بموجب گھر واپس چلا جائے۔ مگر پھر آپ ہی بولا "نہیں یہ بالکل بے حاصل ہو گا اوّل تو وہاں تک جا یا کس سے جائے گا اور بالفرض جاؤں بھی تو اس قصّہ کا یقین کسے آئے گا۔ سب مجھے جھٹلا کر بے وقوف بنائیں گے۔ نہیں میں نہیں جا سکتا۔ اب تو عہد کر چکا ہوں کہ زندگی کے باقی ماندہ دن اسی قبر اور زمرّد کی یادگار کے پاس بسر کروں گا۔ زمرّد کہتی ہے کہ ابھی مجھے بہت دنوں ایڑیاں رگڑنا ہیں۔ بہتر ہے رگڑوں گا اور جہاں تک جھیلا جائے گا جھیلوں گا۔ اس جگہ ایڑیاں رگڑنا بھی زمانہ کی خاک چھاننے سے اچھا ہے۔ افسوس زمرّد دل میں خفا ہو گی کہ اب بھی اس کی وصیّت پوری نہ کی لیکن میں عذرات پیش کیے دیتا ہوں۔ جو فرشتے میرے روز روز کی خبر اس تک پہنچاتے ہیں میرا عذر بھی اُس کے گوش گزار کر دیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت وہ کھڑی مجھے دیکھ رہی ہو۔ میری باتیں اپنے کانوں سے سن رہی ہو۔ ممکن کیا معنی بالکل قرینِ قیاس ہے اب اپنے خط کا جواب سننے کے لیے اس کی روح اس وقت یہاں ضروری آئی ہوگی۔ تو جو کچھ کہنا ہے۔ اسی سے کیوں نہ کہوں؟

یہ خیال اس کے دل میں جم گیا اور زمرّد کی قبر کی طرف دیکھ دیکھ کر یوں کہنا شروع کیا، "پیاری زمرّد! بنہ میں اس قبرِ پُرنور میں ہوں جہاں تو ہے اور نہ میرے پاس وہ نورانی نامہ بر ہیں جو مجھ خاکی ہیکر کا خط تیرے پاس پہنچا دیں۔ اپنی نورانی اور نوری توجّہ سے کام لے اور خود میری زبان سے عذر سُن۔ اے حور وش اور مقبولِ الٰہی نازنیں اور غواصِ دریائے رموزِ وحدت و کثرت! کیا عجب کہ اپنے نور اور تحیّر کی آنکھوں سے تو اس وقت میری ستم زدگی کا تماشہ دیکھ رہی ہو۔ یا میری آہ وزاری کی جگر دوز آواز تیرے روحانی کانوں تک پہنچ رہی ہو۔ زمرّد، مجھے ان لوگوں کے پاس نہ بھیج جن کے فہم و ادراک سے تیری روحانیت اور مقبولیت و معصومیت کا قصّہ بالاتر ہے۔ وہ میرے کہنے کا یقین نہ مانیں گے۔ لہٰذا اپنے عشق میں مجھے اس ذلّت و رسوائی سے بچا۔ اور اگر بارگاہِ لم یزلی میں تیری آواز کچھ بھی اثر رکھتی ہو تو مجھے کوشش کر کے اپنے پاس بلا۔ اور ان پریوں کو بھیج اور جلد بھیج کہ اپنی تفریح گاہ کو مجھ سے خالی کرا لیں۔ میری روح تیرے شوق میں ایک ذبح کیے ہوئے طائر کی طرح تڑپ رہی ہے اور اس مادّی پنجرے سے نکلنے کے لیے پھڑکتی ہے۔ اے محبت والی نازنین، مجھے اور کہیں نہ بھیج بلکہ اپنے پاس بلا۔"

اس قسم کے خیالات ظاہر کرتے کرتے حسین کا جوش اس قدر بڑھ گیا کہ وہ بیتاب ہو کر زمین پر گر پڑا اور لوٹنے اور تڑپنے لگا۔ اور جب ناتوانی زیادہ ہوئی تو قبر سے لپٹ کر بے ہوش گیا۔ اب اس خط نے اس کا جوش بڑھا دیا تھا۔ اور اس کے دن پہلے سے زیادہ غم و اندوہ میں گزر رہے تھے۔ زمرّد نے عالمِ پرستان سے جو مراسلت کی تھی اس نے دل کے جذبات کو یکایک اُبھار دیا تھا۔ وہ روز مینو نشیں معشوقہ کو خواب میں دیکھتا، اور روز ایک نیا خیال پیدا ہوتا۔ شاید عالمِ آخرت کا اتنا علم و یقین کسی مسلمان کو کم ہوگا جتنا کہ فی الحال حسین کو تھا۔ دنیا اس کی نظر میں ہیچ تھی اور اپنے آپ کو عالمِ نور و ظلمت کے مابین ایک برزخ میں پاتا۔ اور بے صبری اور خود فراموشی کے ساتھ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مادّی اور جسمانی

جامے کو چاک کر کے عالمِ نور میں جا پہنچے۔ اس حالت کو بھی ایک مہینہ ہو گیا۔ جس کی ہر گھڑی زمرّد کے کسی نئے خط کے انتظار میں گزر رہی تھی۔ آخر انتظار کا زمانہ ختم ہو گیا اور ایک خط ملا جس کا مضمون یہ تھا۔

"اے محبوسِ ظلمت کدۂ ارض میری جستجو میں تو حد سے گزرا جاتا ہے۔ اور یہ نہ سمجھ کہ مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ میرے تعلقات تیرے ساتھ رُوحانی طور پر باقی ہیں اور یہی سبب ہے کہ اس عالم میں بھی جہاں ہر طرف سے مسرتیں ہجوم کیے ہوئے ہیں اور خداوندِ جل و علا نے ایک خاص بعید از فہم و ادراک لذّت میرے دل میں پیدا کر دی ہے۔ میں تیری طرف سے اپنا خیال نہیں ہٹا سکتی۔ تیری یاد میں یہ رُوحانی لذّتیں بھی میرے دل سے غم کا کانٹا نہیں نکال سکتیں۔

خیر اب تو نے پورا امتحان دیا ہے۔ اور کوئی چیز تیرے دل سے میرا خیال نہیں نکال سکتی تو مایوس نہ ہو۔ اور مجھ سے ملنے کا سامان کر۔ یاد رکھ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں تو مجھے پا سکے گا۔ میں تجھ سے قریب بھی ہوں اور دور بھی ہوں لیکن جس دروازے سے تو میرے پاس آ سکے گا وہ بہت فاصلہ پر ہے اور وہاں تک تو بڑی محنت و ریاضت سے پہنچ سکے گا۔ اس کام کے لیے تجھے نفس کشی اور ریاضت بھی کرنا ہو گی۔ اور بڑے بڑے سفر بھی کرنا پڑیں گے۔ اس طرح بے مرشد و رہبر پہاڑوں سے ٹکرانا بے سود ہے۔ اور نہ اس رونے دھونے سے کچھ اثر ہو گا۔ اگر مجھ سے ملنے کا سچا شوق رکھتا ہے تو اس وادی سے نکل اور کوہ جودی[1] کی مغربی گھاٹیوں میں ایک بڑا غار ہے جس میں بڑے بڑے خدا شناس لوگ چلّہ کشی کر چکے ہیں۔ لوگ نہیں جانتے۔ مگر مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ جس غار میں جناب ابراہیم نے کواکب کے طلوع و غروب

---

[1] کوہ جودی کو فی الحال انگریزی جغرافیہ والے کوہ ارادت کہتے ہیں یہ اس نقطہ پر واقع ہے جہاں دولتِ عثمانیہ اور روس و ایران کی سرحد ملتی ہے۔

سے فسخِ عزائم کر کے خدا کو پہچانا تھا وہ یہی غار ہے اب لوگ اس غار کو ارضِ شام میں بتاتے ہیں۔ لیکن یہ صریح جھوٹ ہے حضرت ابراہیم کا بچپن شام میں نہیں گزرا بلکہ اس سرزمین میں جہاں ان کا وطن تھا اور جہاں نوح کی کشتی ٹھہرنے کے بعد ان کی نسل سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ اس غار میں تو چالیس دن تک بیٹھ کر چلہ کھینچ اور کوشش کر کہ اس مدت میں ہر چوتھے دن صرف تھوڑی سی نباتاتی قوتِ لایموت پر زندگی بسر کرلے یہ بھی ضرور ہے کہ پورے چلہ بھر صرف ایک صورت تیری نظر کے سامنے اور صرف ایک خیال تیرے دل میں ہو وہ صورت تو میری ہے اور خیال ان مرشد کے ملنے کا جس کے مریدوں میں شامل ہونے کو غار میں سے نکل کر روانہ ہوگا اس چلہ کی تنہائی میں تو اکثر دیکھے گا کہ میں تجھے اپنی طرف بلا رہی ہوں۔ مگر خبردار اس خیالی پیکر کے دھوکہ میں نہ آنا کہیں ذرا بھی تیرے قدم کو لغزش ہوئی تو سمجھ لے کہ مجھ سے ملنے کی کوئی امید نہیں، چالیس دن کے بعد پچھلی رات کو اس غار اور کوہ جودی کی گھاٹیوں سے سرزمینِ شام کو روانہ ہو اور بغیر اس کے کہ کسی اور جگہ قیام کرے بخطِ مستقیم شہر خلیل میں جا، وہاں کے مشہور تہہ خانے میں حضرت یعقوب و یوسف کے جنازے رکھے ہوئے ہیں لوگوں کی آنکھ بچا کر اتر۔ لوگ تجھے روکیں گے مگر ایسی کوشش کر کہ نگہبانوں اور مجاوروں کو خبر نہ ہو اور تو اندر پہونچ جائے۔ چالیس دن تک ان دونوں جنازوں کے درمیان بیٹھ کر چلہ کھینچ۔ پھر وہاں سے نکل کر شہر حلب کو جا، وہاں محلہ رامنہ کے عقب میں تجھے ایک چھوٹی سی مسجد ملے گی جو مسجد الشماتین کہلاتی ہے۔ اس مسجد میں جا کے ٹھہر دوسرے ہی دن نمازِ فجر کی جماعت میں ایک شخص آئے گا جو صوف کے کپڑے پہنے ہوگا۔ اس کے بال لمبے ہوں گے اور ایک سیاہ کملی میں اپنا سارا جسم چھپائے ہوگا۔ اس شخص کی چھوٹی سی داڑھی میں نصف سے زیادہ بال سفید نظر آئیں گے، اور اس کا عمامہ سبز ہوگا۔ اس لیے کہ سادات بنی فاطمہ سے ہے اس نورستان میں اگرچہ وہ اور کسی معزز خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر اس عالمِ عناصر میں اس کا نام شریف علی وجودی ہے۔ یہ شخص اگرچہ بالکل منکسرانہ مزاج و وضع کا نظر آئے گا مگر اس کی آنکھوں سے ریاضت و

نفس کشی اور جذباتِ روحانی زیادہ ہونے کی وجہ سے شعلے نکلتے ہوں گے۔ خوب یاد رکھ کہ جب تک تو شریف علی وجودی کے سامنے نہ جا پہنچے گا وہ تیری طرف توجّہ نہ کریں گے۔ ان بتائی ہوئی نشانیوں سے تو انھیں پہچان لینا۔ اور ان سے حق کا خواستگار ہونا۔ وہی شخص تجھ کو مجھ سے ملا سکتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہماری کامیابی ہے۔ اگر تو میرا شیدا اور میرا آرزو مند ہے تو جب تک مقصد براری نہ ہو شیخ کی خدمت اور غلامی کرنا۔ اگر تو پورے ایک سال تک شریف علی وجودی کی خدمت میں رہے گا تو ایسا موقعہ ضرور آئے گا جبکہ وہ ایک جوش اور ولولہ میں آکر انسان کو ملاءِ اعلیٰ کی سیر کرا دینے کا دعویٰ کریں گے۔ یہ دعویٰ سنتے ہی ان کے قدموں میں گر کر اپنی دلی آرزو ظاہر کرنا۔ بے شک وہ منظور کرلیں گے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ شیخ کے ہر حکم کی تعمیل خواہ تیری سمجھ میں آئے یا نہ آئے بے عذر اور بلا حجت کرنا۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

اگر یہ سب مراحل تو نے طے کر لیے اور شیخ کی اطاعت میں پوری سرگرمی اور گرم جوشی دکھائی تو جان لے کہ میرا آغوش تیرے لیے کھلا ہوا ہے تجھ سے زیادہ میں تیرے لیے حیران ہوں۔ بس اب جلدی اس وادی سے نکل اور میری قبر کو چھوڑ اور مجھ سے ملنے کی کوشش میں استقلال و مستعدی دکھا۔ تیری مشتاق و شیدا۔

زمرّدؔ"

حسین اپنے جوشِ محبت و احباب سے متنفر ہو جانے کی وجہ سے زمرّد کی پہلی وصیّت اور اس کے بعد گزشتہ خط پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس خط کے بعد ممکن نہ تھا کہ ایک گھڑی بھر کے لیے بھی وہ اس وادی میں ٹھہر سکے۔ زمرّد کی محبت اور وفا شعاری یاد آئی۔ بالآخر نہایت جوش خروش کے ساتھ زمرّد کی قبر سے رخصت ہوا۔ پھر خط کو کئی بار چوم کر آنکھوں سے لگایا اور سینے میں دل سے لگا کر رکھا۔ اور کمر باندھ کر چل کھڑا ہوا تنگ و تاریک گھاٹی سے بہ ہزار دشواری سنبھل سنبھل کر نکلا اور اسی مقام پر پہونچا جہاں اپنے اور زمرّد کے گدھوں کو درختوں

سے باندھ کر چھوڑ گیا تھا۔ وہ دونوں گدھے بندھے ہوئے سوکھ سوکھ کر سردی و برف باری کے صدمے اُٹھا کر مر گئے تھے ان کی ہڈیاں درخت کے نیچے پڑی ہوئی تھیں مگر یہ دیکھ کر نہایت ہی متحیر ہوا کہ قدیم گدھے کے بدلے اب ایک اور تازہ دم گدھا اسی درخت میں بندھا اور کسا کھڑا ہے۔ خلاف اُمید اس سواری کو پا کر اس نے خداوندِ کریم کا شکریہ ادا کیا جس نے اس عالمِ نور کے بہت سے رموز اس دنیا ہی میں اس پر ظاہر کر دیے۔ اور آگے کی راہ لی جہاں تک راستہ خراب اور پیچیدہ تھا وہاں تک تو وہ گدھے کا دہانہ پکڑے ہوئے پا پیادہ گیا۔ جب صاف اور کشادہ زمین آگئی تو اس خدا کی دی ہوئی سواری پر سوار ہو کر سیدھا مغرب کی طرف چل کھڑا ہوا۔ چونکہ اس کوہستان کا سلسلہ بھی مشرق سے مغرب کو گیا ہے لہٰذا اس کے دامن میں بادیہ پیمائی شروع کی اور دو مہینے کی دشت نوردی کے بعد علاقہ آذربائیجان کے شہر تبریز میں جا پہونچا۔ جہاں سے کوہِ جودی دس بارہ دن کی مسافت پر ہے۔ تبریز ایسا بارونق شہر تھا کہ حسین کے دل میں آئی کہ دو دن ٹھہر کر سیر کر لے مگر زمرّد کی تاکید یاد آئی۔ اور بغیر اس کے کہ کارواں سرائے میں کمر بھی کھولی ہو آگے کی راہ لی اور دس روز کی دشت نوردی کے بعد کوہِ جودی کی سربفلک چوٹی کے نیچے جا کھڑا ہوا۔

کوہِ جودی بہت بلند پہاڑ ہے۔ اور ایران اور ایشیائے کوچک بلکہ سلسلۂ کوہ قاف کی اکثر چوٹیوں سے زیادہ بلند ہے۔ حسین پہلے ایک بڑا چکر کھا کر اس زبردست اور برف سے ڈھکے ہوئے قلعہ کے مشرقی پہلو پر نکل گیا۔ اور اس غار کو ڈھونڈنے لگا جس میں اسے چلہ کشی کرنا تھی۔ کئی روز تک چٹانوں اور گھاٹیوں میں ٹکراتے رہنے کے بعد غار ملا۔ دور دور کے گاؤں والے اکثر اس غار کی زیارت اور اس کے تاریک دہانے پر کچھ نہ کچھ چڑھانے کو آتے رہتے تھے۔ جن میں اس کی قدیم برکتوں کے بہت سے قصے مشہور تھے۔ اور یہودی و نصاریٰ اور مسلمان سب اس کو حرمت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھیں گاؤں والوں میں سے ایک زائر کی زبانی حسین کو اس غار کے حالات معلوم ہوئے اور وہ سمجھ گیا کہ یہی وہ

مقام ہے جہاں اپنی ریاضت و نفس کشی کا پہلا امتحان دینا ہے اور جہاں جنابِ ابراہیم نے خدا کو پہچانا تھا۔

دن کو جب حسین اس غار کے دہانے پر پہنچا ہے۔ اضلاع جودی و لبنان کے چند خوش عقیدہ زائروں کا مجمع تھا۔ شام کو ان کے واپس جانے کے بعد جیسے ہی آفتاب غروب ہوا۔ وہ خدا کا نام لے کر اندر گھسا۔ غار میں جاتے ہی وہ ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ اور کوشش کرنے لگا کہ وہاں کی بھیانک تاریکی میں زمرّد کی خیالی تصویر کا چراغ بنا کر ہر وقت نظر کے سامنے رکھے۔ چھ دن پچھلی رات کو نکل کر گھاس اور پتّوں سے بھوک کی شدّت کم کر لیتا اور پھر اسی خلوت کدہ میں جا بیٹھتا۔

آخر چلّہ پورا کر کے ہمارے پرجوش نوجوان نے شام کی راہ لی۔ تین مہینے کے سفر کے بعد مقدس شہر خلیل کی عمارتیں نظر کے سامنے تھیں۔ آبادی میں داخل ہو کر سیدھا اس تہہ خانہ پر پہنچا۔ مگر یہاں نیچے اترنا بہت دشوار تھا۔ اس لیے کہ ہر وقت لوگوں کا مجمع رہتا۔ اور خرابی یہ تھی کہ جو کوئی اس مقدس غار میں اترنے کا ارادہ کرے عام مجاورین کے عقیدہ میں واجب القتل تھا۔ حسین نے اپنے ارادہ کو چھپایا اور مجاورین کو دوست بنا کر اجازت حاصل کر لی کہ اترنے کے راستے کے قریب ہی شب باش ہو۔ کئی راتیں جاگ کر کاٹیں۔ مگر موقعہ نہ ملا۔ اس لیے کہ اکثر لوگ یہاں پاس ہی شب بیداری کرتے تھے۔ اور ایسا کوئی وقت نہ ملتا جبکہ لوگ مصروف دعا و عبادت نہ ہوں۔ دو تین ہفتہ کے بعد ایک مرتبہ پچھلی رات کو اُٹھ کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ اور جو لوگ تھے وہ سو رہے تھے۔ چپکے چپکے دبے پاؤں تہہ خانے کے دروازے پر گیا۔ اور چاروں طرف دیکھ کر جب اطمینان کر لیا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تو بے تکلف نیچے اُتر گیا۔

اس مقام پر جانا بڑی جرأت و ہمت کا کام تھا۔ ان انبیائے عظام کا رعب ساعت بساعت دل پر غالب آتا جاتا تھا۔ پاؤں کانپ رہے تھے اور دل دھڑک رہا تھا تاہم

زمرّد کا شوق ان تمام دلی کمزوریوں پر غالب آیا وہ برابر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ بار بار اسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے فرشتے روک رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مقدس جگہ کو اپنے قدموں سے ناپاک نہ کر۔ مگر ان سب خیالات کو مٹا مٹا کر وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہاتھوں اور پاؤں سے ٹٹولتا ہوا تہہ تک پہنچ گیا۔ رات کا وقت اور پھر وہ تاریک مقام۔ حسین نیچے پہنچ کر پریشان ہوا کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر بزرگ پیغمبروں کے جنازے کیونکر نظر آئیں گے۔ عرصہ تک ایک ہی جگہ پر کھڑا سوچتا رہا۔ اب دل کو مضبوط کر کے آمادہ ہوا تھا کہ ٹٹول کر آگے بڑھے۔ ناگہاں صبح کی شعاعیں اوپر سے پہنچیں اور وہ ٹھہر گیا کہ روز روشن ہو لے تو شاید زیادہ آسانی سے اپنے مقصود مقام پر پہونچ سکوں گا۔ اور یہی ہوا۔ دن کی روشنی نے اندھیرا کم کر دیا اور اسے کئی لاشیں چبوتروں پر رکھی نظر آئیں، جن میں سب کے درمیان میں حضرت یعقوب و یوسف کے جسم تھے۔ ان کا انتقال چونکہ مصر میں ہوا تھا لہذا قدیم مصر کے مذاق پر ان کی ممیاں[1] بنائی گئی تھیں۔ جسم آئینے کے تابوتوں میں تھے، جن سے اس تاریکی میں ایک عجیب رعب و جلال برستا نظر آتا تھا۔ حسین یہ مقدس چہرے دیکھ کر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اسے کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ چند لمحہ تک مرعوب اور سہما کھڑا رہا۔ اور پھر جی کڑا کر کے قدم بڑھایا۔ اور دونوں کے درمیان میں جا کر چپکے سے بیٹھ گیا۔ جہاں دونوں کے باہیبت چہرے ہر وقت اس کے پیش نظر رہتے اور ان کا رعب اس قدر غالب تھا کہ زمرّد کے خیال کو وہ مشکل سے آنکھوں کے سامنے متشکل کر سکتا تھا،

---

[1] مصر والے اپنے بزرگوں کی لاشوں میں کچھ ایسا روغن لگا کر اور مسالا دے کر رکھتے تھے کہ کبھی سڑتی نہیں اور اب تک ان کی لاشیں نکل رہی ہیں جو اسی حالت پر ہیں۔ مصر کے تہہ خانوں سے لاشیں نکال کر لندن اور پیرس کے عجائب خانوں میں رکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کی لاشوں کو ممی کہتے ہیں۔

مگر کوہ جودی کے چلّے کی کوششوں نے وہ پیاری صورت زیادہ استقلال کے ساتھ نظر کے سامنے قائم کر دی تھی اور تھوڑی ہی کوشش سے ان دونوں متبرک چہروں کے درمیان میں وہ اپنی معشوقہ کا جلوہ دیکھ لیا کرتا تھا۔

الغرض یہاں بھی وہ چلّہ کشی میں مشغول ہو گیا۔ مگر یہاں کوہ جودی کے غار کی طرح یہ ممکن نہ تھا کہ کسی وقت نکل کر قوتِ لایموت حاصل کر لے۔ اس کا خیال اسے پہلے سے تھا۔ اس ضرورت سے تھوڑا سا پنیر اپنی چادر میں باندھ کر لیتا آیا تھا۔ دو تین ٹکڑے چوتھے دن کھا کر خدا کا شکر گزار ہوتا۔ خدا خدا کر کے یہ چلّہ بھی پورا ہوا۔ اور اکتالیسویں رات کو وہ چپکے چپکے اور دبے پاؤں باہر نکلا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ حلب کی راہ لے مگر لوگ جاگ رہے تھے جن میں سے بعض اسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے دیکھتے ہی غل مچا کر حملہ کیا اور حسین غار سے نکلتے ہی مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ ایک بڑی سخت بے ادبی اور گستاخی کا اس پر الزام لگایا گیا اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالا جائے مگر اتفاق سے یا اس کی خوش قسمتی سے ایک روز ایک باطنی فدائی کے ہاتھ سے شہر خلیل کا حکمراں مار ڈالا گیا تھا۔ لوگ اگرچہ باطنیہ لوگوں سے ڈرتے تھے مگر یہ اتنا بڑا اہم معاملہ تھا کہ انتقام کے درپے ہوئے اور باطنیوں کے ایک گاؤں پر تاخت کرنے کا سامان ہی کر رہے تھے کہ باطنیوں کا ایک بڑا بھاری گروہ خود ان پر آ پڑا۔ سخت قتل و خون ہوا بہت سے لوگ مارے گئے اور اسی بے امنی کی حالت میں حسین مجاوروں کی قید سے چھوٹ کر حلب روانہ ہوا۔

آٹھویں دن شام کے وقت حلب میں داخل ہوا راہ گیروں سے پوچھتا ہوا محلّہ رامنہ اور پھر مسجد اشماتین میں پہونچا یہاں آتے ہی کمر کھول دی اور سرِ شام ہی کچھ کھا پی کر عشاء کی نماز پڑھی اور پڑ کر سو گیا۔ اگرچہ تھکا ماندہ تھا مگر زمرّد کے وصال کا شوق سب پر غالب تھا۔ آدھی رات سے زیادہ نہ گزری ہو گی کہ آنکھ کھل گئی اور صبح تک نماز فجر کے انتظار میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح کی اذان سے پہلے ہی وضو کر کے تیار ہو گیا۔ اور دروازے پر بیٹھ کر ہر

آنے والے کی صورت کا مطالعہ کرنے لگا۔ آس پاس کے مکان والے نیند کے خمار میں لڑکھڑاتے اور ٹھوکریں کھاتے نظر آتے اور وضو میں مشغول ہو جاتے۔ حسین کو اکثر لوگوں پر شیخ شریف علی وجودی کی صورت کا دھوکا ہوتا۔ مگر کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ ہر آنیوالے میں اگر کوئی علامت ہوتی تو اور علامتیں نہ پائی جاتیں۔ آخر دل ہی دل میں پریشان ہونے لگا۔ اور خود اپنی طرف خطاب کر کے چپکے سے کہا مجھے یقین نہیں کہ شیخ سے مل سکوں۔ یہ جملہ اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ اسی حلیہ و وضع کا ایک شخص آیا۔ اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے کھڑا ہو گیا۔ اور مسکرا کر نہایت تسلی و تشفی کے لہجہ میں بولا۔ حسین میں جانتا ہوں کہ تو میری تلاش میں آیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حسین قدموں پر گر پڑا۔ اور شیخ شریف علی وجودی کے قدم چوم چوم کر اور ان کے پاؤں کو اپنے آنسوؤں سے دھو دھو کے کہنے لگا۔ یا حضرت! میری مدد کیجیے صرف آپ ہی کی رہبری سے مجھے حق کا راستہ مل سکتا ہے۔ جس صراطِ مستقیم پر چل کر انسان خدا اور عالم ارواح کو پہچان سکے وہ صرف آپ ہی جانتے ہیں۔

شیخ۔ (جلال میں آکر) اے بحرِ وجود اور دریائے وحدت کے ذلیل و ناپاک قطرے تیرا کیا حوصلہ ہے کہ اس غیر موجود[1] اور اس لاہوت غیر ممنون کے رموز سمجھ سکے۔

حسین۔ بے شک میری کوئی ہستی نہیں مگر جب آپ کے سے شناور بحرِ وحدت کا ہاتھ پکڑ لوں گا تو کیا عجب کہ اس طوفان خیز دریا سے پار ہو جاؤں۔ اور یہ کہہ کر رو کر

---

[1] باطنین کا یہ عقیدہ کہ خدا کی طرف کسی صفت کا منسوب کرنا کفر ہے اور بظاہر جو صفات قرآن میں مذکور ہیں وہ اس اعتبار سے ہیں کہ یہ صفات اس نے مخلوق کو عطا کیے یعنی خدا کو نور کہیں تو منور اور بصیر کہیں تو مبصر بصارت دینے والا اور اسی طرح موجود کہیں تو موجود کرنے والا مراد ہے اس سے وہ صفات کو منسوب کر کے پھر نفی بھی کر دیا کرتے تھے یعنی کہتے تھے موجود و غیر موجود!

پھر شیخ کے قدم چومنے لگا۔

شیخ کا جلال کسی قدر کم ہوا۔ انھوں نے حسین کو ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا۔ اور سینہ سے لگایا اور اپنا سینہ کئی دفعہ خوب زور سے اس کے سینے سے رگڑا۔ اور کہا اچھا آ میرے ساتھ چل میں تیرے ضبط و ظرف کا اندازہ کروں گا۔ اور جب معلوم ہو جائے گا کہ تیری طلب کہاں تک صادق ہے۔ اس وقت تجھے اپنے حلقۂ ذوق میں شریک کروں گا۔

حسین نے یہ سن کر شکر گزاری کے طریقے سے سر اٹھایا۔ شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ جا کر نماز میں شریک ہوا۔ نماز کے بعد شیخ علی وجودی اسے اپنی خانقاہ میں لے گئے جو شہر سے کچھ فاصلہ پر ایک غیر آباد مقام میں تھی۔ حسین کو یہ خیال کر کے تعجب ہوا کہ مسجد الشماتین کو کیا تخصیص ہے کہ شیخ وہاں فجر کی نماز ادا کرنے کو گئے تھے۔ اس کا راز دریافت کرنے کے لیے اس نے ادب کے ساتھ پوچھا کہ کیا حضرت ہر روز نماز کے لیے اسی مسجد میں تشریف لے جاتے ہیں۔

شیخ۔ (لاپرواہی سے) "نہیں صرف آج چلا گیا تھا"

حسین۔ "تو شاید کسی کام کے لیے ادھر تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا ہوگا؟"۔

شیخ (ذرا برہمی سے) ولا تجسسوا[1]۔ ان رموزِ معنی کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ اگر سچا شوق ہے تو کبھی خود ہی سارا راز کھل جائے گا۔ اب حرفِ سوال تیرے منھ سے نکل ہی گیا تو لے بتائے دیتا ہوں۔ سن جو لوگ خدا کے انوارِ ازلی و سرمدی کا انعکاس اپنے دل پر کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے حجاب کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور جہاں جہاں وہ نور الانوار اپنی کرنیں ڈالتا ہے وہاں اُن کی آنکھوں کی شعاعیں بھی پہنچ جاتی ہیں۔ میرا یہ جسم مادی اسی خانقاہ میں تھا۔ مگر ان آنکھوں کی تیز شعاعیں کوہ البرز کے پہلو میں تھیں،

---

[1] قرآن شریف کی آیتہ ہے۔ مراد یہ کہ ان لوگوں کے افعال کی جستجو نہ کرو۔

جب تو زمرّد کی قبر سے لپٹا ہوا روتا تھا۔ پھر جبلِ جودی کے غارِ ابراہیم میں تھیں جب زمرّد کی تصویر تیرے سامنے اور میری جستجو تیری دل میں تھی۔ پھر یہ شعاعیں اس تیرہ و تار تہہ خانہ میں تھیں جہاں یعقوب و یوسف علیہ السلام کے چہروں کے درمیان تو زمرّد کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے تیری اس بے کسی کو بھی دیکھا۔ جب تو شہر خلیل کے مجاوروں کے ہاتھ میں اسیر تھا تیری ہی مدد کے لیے میں نے اپنے دوستوں کو بھیجا۔ جنھوں نے شہر والوں پر حملہ کر کے تجھے ادھر آنے کا موقعہ دیا۔ یہ کہتے وقت شیخ کی آنکھیں اس تیزی سے چمکیں کہ حسین بالکل تحمّل نہ کر سکا۔ اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ کے ایک مجذوبانہ جوش کے ساتھ کہنے لگا، "آپ سب جانتے ہیں۔ کوئی راز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میری آرزو اور تمنا بھی آپ کو معلوم ہے۔"

شیخ۔ (جوش و خروش سے) سب جانتا ہوں۔ مگر ابھی اس کے اظہار کا وقت نہیں آیا۔ اس شرق کا تیری زبان سے ظاہر ہونا کسی خاص وقت، خاص حالت و کیفیت پر موقوف ہے۔ بس اب اس وقت خاموش رہنا چاہیے۔

یہ حکم سن کر حسین اس قدر مرعوب ہوا کہ زمین پر پڑ کے کانپنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نے اسے اُٹھا کر بٹھایا۔ سینے اور آنکھوں پر اپنا دستِ برکت پھیر کر اس کے دل کو تسلّی دی اور کہا "حسین تو میری خانقاہ میں اور خاص میری صحبت میں رہا کر اور جس قدر زیادہ خدمت کرے گا اور جس مستعدی سے بے عذر و حجّت میرے احکام کی، جو دراصل احکام الٰہی ہیں تعمیل کرے گا اسی قدر جلد کامیاب ہوگا۔ مگر یہ خوب سمجھ لے کہ ابھی تیرا ظرف اور تیرا دل اس قابل نہیں کہ تنوعاتِ ربّانی اور انقلابِ قدرت کے اسباب و علل سمجھ سکے۔ موسیٰ و خضر کا قصّہ ہر وقت پیشِ نظر رکھ اور یقین کرے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ نتائج ہمیشہ باطن میں مخفی ہوتے ہیں۔ ظاہر پرست رموزِ قدرت کو نہیں سمجھ سکتے۔ سزا و جزا روح کے لیے ہے جو باطن پر متصرف رہتی ہے۔ اور ہمیشہ دل کے اندر اور نیت پر حکمراں ہے یہ ظاہری ارکان و جوارح

اسی مادّہ میں مل گے اور یہیں رہیں گے ۔ لہٰذا ان کی حرکات کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ قاضی و مفتی جاہل ہیں اور نورالانوارِ یزدانی سے دور ہیں جو ظاہری افعال و حرکات پر حکم دیتے ہیں خضر و موسیٰ کے قصّہ میں اس لاہوتِ اکبر نے موسیٰ کی تائید نہیں کی جو ظاہر پرستی کر رہے تھے بلکہ خضر کے موافق فیصلہ کیا۔ جو رموزِ باطنی اور ارادۂ صمدانی کو سمجھ رہے تھے، اسی طرح دیکھو ابراہیم نے جب بی بی کو بہن بتایا تو ظاہر پرست بہت گھبرائے کہ پیغمبر کی عصمت میں فرق آ گیا مگر ان کی جہالت ہے۔ خدا ابراہیم کے دل کو دیکھ رہا تھا۔

الحاصل اے حسین! تو خوب سمجھ لے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ اور خدا باطن کا طرفدار ہے، تجھے شیخ اور مرشد کی اطاعت آنکھیں بند کر کے اسی طرح کرنا چاہیے جیسی اطاعت کی خواہش خضر نے موسیٰ سے کی تھی۔"

حسین (سینہ پر ہاتھ رکھ کر) بے شک میں ایسی ہی اطاعت کروں گا۔ مگر کیا معاصی اور برے کاموں کا بے سمجھے ارتکاب کر لینا چاہیے۔

شیخ (نہایت جلال کے ساتھ اور آنکھیں سرخ کر کے) کیا تجھے یہ گمان ہے کہ مرشد بُرے کام کا حکم دے گا؟

حسین۔ (ڈر کے اور اخلاقی کمزوری کی شان سے) لیکن ممکن ہے کہ مرید اور عقیدت کیش کو وہ فعل گناہ نظر آتا ہو۔

شیخ۔ ہاں، ممکن ہے۔ مگر اس کا باطن گناہ نہیں اور نتائج صرف باطن پر مترتب ہوتے ہیں۔

حسین۔ مگر اسی باطن پر جو مرتکب اور کرنے والے کے دل میں ہو، میں ایک فعل کا ارتکاب کروں تو اس کے نتائج اسی نیت پر مترتّب ہوں گے جو میرے دل میں ہے اگر مجھے اس کا باطنی رُخ اچھا نہیں معلوم ہوگا تو خواہ مخواہ میری نیّت بھی بُری ہوگی اور جب میری نیّت بری ہوگی تو نتیجہ بھی اس نیت کے مطابق برا ہونا چاہیے۔

شیخ۔ (جوش میں آکر اور آنکھیں سرخ کر کے) تو کیا تیرے نزدیک شیخ کی نیت پر شبہہ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس سے پہلے رازِ لاہوتی کے تسلیم کرنے سے انکار ہے؟

حسین۔ (شیخ کے قدموں پر گر کر) ہرگز نہیں۔ مگر میری باتیں محض اس لیے کہ لیطمئن[1] قلبی۔ اور خداوندہ دن نہ لائے کہ میں شیخ کی نیت پر شبہہ کروں۔

یہ جواب سن کر شیخ نے حسین کو اُٹھا کر سینہ سے لگایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر کہا "سُن بے شک تیرے دل میں ابھی شکوک آتے ہوں گے مگر اس راہِ باطن میں جو قدم آگے بڑھائے گا تجھے نظر آجائے گا کہ مرید کی وقعت ایک بے جان آلے سے زیادہ نہیں۔ سُن ہر مرید بعینہٖ ایک تلوار ہے جس کے قبضہ پر شیخ کا ہاتھ ہے اور تو سمجھ سکتا ہے کہ تلوار پڑتے ہی جس کا سر چاہے اُڑا دے مگر الزام یا تحسین کی نسبت تلوار سے نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ چیزیں اسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں جو تلوار کو ہاتھ میں لیے ہو۔ یقین ہے کہ اب تیرا شک رفع ہو گیا ہو گا۔ اور تو سمجھنے لگا ہو گا کہ مرید کے افعال کا باطنی پہلو شیخ کی نیت سے متعلق ہے نہ خود مرید کے ارادے سے، جب اس طرح اطاعت اور مستعدی دکھا کر انسان ارادت کے مدارج طے کر چکتا ہے اس وقت قرب کے درجہ کو پہونچتا ہے اور اسی وقت اس کی نیت قابلِ اعتبار اور بنائے نتائج ہوتی ہے لیکن جب تک وہ ارادت کے درجے طے کر رہا ہے اس کے ارادوں اور اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں اس وقت تک اس کے فعل کا ذمہ دار شیخ اور مرشد ہے۔"

حسین۔ (جوش و خروش سے شیخ کا ہاتھ چوم کر) بے شک بجا ہے میری آنکھوں کے سامنے سے حقیقت کا پردہ اٹھ گیا اور مجھے کسی حکم کی تعمیل میں عذر نہ ہو گا۔

شیخ۔ حسین! مرید کے سر پر بڑی نازک ذمہ داری ہے۔ اس سے زیادہ نفس کشی

---

[1] قرآن شریف کی آیتہ ہے تاکہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔

کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے دل اور اپنی عقل کو اپنے افعال سے بالکل الگ کر دے مگر تو غور کرے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ احکامِ الٰہی اور رفتارِ زمانہ کے بالکل موافق ہے۔ جن کاموں کی تعمیل خضر نے کی اور جن میں موسیٰ سے مدد لی ان کا باطنی پہلو صرف خضر کے دل میں تھا اور موسیٰ کی نیت میں وہ قطعی معاصی تھے مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ نے گناہ کیا اور اتنے بڑے کبائر میں شریک ہوئے ایسا کیوں ہوا۔ محض اس لیے کہ اس عالمِ باطنی میں خضر مرشد اور موسیٰ مرید تھے۔ اس کی تعمیل خود ظاہر پرستوں میں روز ہوتی رہتی ہے۔ طبیب بظاہر نہایت ہار بلکہ سمی دوا دیتا ہے اور مریض اگرچہ اس کے منافع سے بے خبر ہے۔ مگر بلا تامل کھا لیتا ہے اور نتیجہ وہی ہوتا ہے۔ اور وہی سمجھا جاتا ہے جو طبیب کی نیّت میں ہے۔ ماں باپ لڑکے کو کسی کام پر مارتے ہیں۔ لڑکا اس کام کو اپنے دل میں اچھا سمجھ کر کرتا ہے مگر ماں باپ اپنے دل میں اور اپنے ہی خیال کی مضرت کی بنیاد پر مارتے ہیں اور اس کا نتیجہ ہر ایک کے نزدیک اچھا ہوتا ہے۔

یہ تقریر ایسی موثر تھی کہ حسین اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ لا سکا اور پھر ایک نہایت ہی بے خودی کی وضع سے جوش میں آ کر چلّایا: "بے شک آپ بجا فرماتے ہیں میرے دل کو اطمینان ہو گیا۔ اور کبھی کسی حکم سے سرتابی نہ کروں گا۔"

اس علمِ غیب اور اس مدلّل تقریر نے حسین کو شیخ علی وجودی کا ایسا لرزیدہ بنا دیا کہ اس کی نظر میں سوائے شیخ کے اور کسی چیز کی ہستی نہ تھی۔ اس کے کانوں میں ہر وقت شیخ کی آواز گونجتی اس کی آنکھوں کے سامنے ہر گھڑی شیخ کی تصویر پھرتی اور اس کے دل میں ہر لحظہ شیخ کے احکام کا انتظار رہتا۔ زمرّد کی تصویر بھی اب اس طرح ہمیشہ پیشِ نظر نہ تھی۔ بلکہ کبھی خانقاہ کے حجرہ میں لیٹ کر وہ زمرّد کے خیال کی طرف متوجہ ہو کر کہتا: "پیاری زمرّد! مجھے تو نے کہاں بھیجا ہے کہ خود تجھے بھولا جاتا ہوں۔"

الغرض اب پورے کمال کے ساتھ اس نے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل کیا، حسین کو

ارادت وعقیدت مندی کے ساتھ شیخ کی خدمت کرتے گیارہ مہینے گزر گئے اس زمانہ میں ایک مرتبہ تین مہینے کے لیے وہ غائب رہے اور کسی ایسے سفر پر گئے جس کو انھوں نے بالکل راز میں رکھا۔ حسین ان کی غیبت میں بھی اسی خانقاہ میں رہا مگر اتنی مدت میں اسے معلوم ہو گیا کہ شیخ علی وجودی کے مرید و معتقدین کن کن شہروں میں اور کتنے کتنے پھیلے ہوئے ہیں جن کا معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دور و دراز کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نئے نئے عجیب و غریب احکام سن کر واپس جاتے۔ ان کی فوراً تعمیل ہوتی۔ ایک طرف خراسان، مکران، سیستان، فارس، ردد بارِ آذربائیجان، عراق، عرب اور عجم کے مرید آتے اور دوسری طرف عمان، حضر موت، حجاز، یمن، زنجبار، مصر، طرابلس الغرب، الجزیرہ اور تمام علاقہ افریقہ اور ایشیائے کوچک کے معتقدین سب لوگ مختلف وضع و لباس میں ہوتے اور پوشیدہ ہی پوشیدہ اکثر راتوں کو شیخ سے مل کر صبح ہونے سے پہلے ہی چلے جاتے۔ حسین اس امر کو نہایت وقعت کی نظر سے دیکھتا کہ شیخ کے خوشہ چیں اور ارادت مند کن کن اقطاعِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور اتنے بڑے اثر اور حکومت کے ساتھ بظاہر وہ کس سادگی اور بے نفسی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ایک رات کو شیخ کے گرد دس بارہ مریدوں کا مجمع تھا۔ حسین بھی نہایت ادب کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھا تھا اور شیخ کی زبانِ فیض ترجمان بہت بڑے بڑے رموز حکمی و روحانی کھول رہی تھی۔ ایک شخص نے جو مصر سے آیا ہوا تھا۔ ادب سے مگر شک کرنے کے لہجہ میں کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ انسان جب اس جسم خاکی کو اسی خاکدان میں چھوڑ جاتا ہے تو جنت کی مسرتوں میں اسے کیونکر لطف آتا ہے"۔ اس کے جواب میں شیخ نے کسی قدر برہمی سے کہا "بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ تم دنیا میں اس جسم کے ساتھ مزے اُٹھاتے ہو"۔

شخص کیونکر؟ لذت اور درد تو صرف جسم کے لواحق سے ہیں۔

شیخ۔ (ذرا جوش میں آکر) روح گو بے جسم ہوتی ہے مگر اسے معلوم یہی ہوتا

ہے کہ گویا جسم میں ہے۔

شخص۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے ؟ جب مادّہ کی کثافت ہی نہیں تو اسے متشکّل اور متحیّر کون چیز کرسکتی ہے۔

یہ سن کر شیخ کی برہمی اعتدال سے زیادہ ہوگئی۔ انھوں نے حسین کو پکار کر قریب بلایا اور کہا "بتا تو جب کوہ البرز کی گھاٹی، کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تیرہ و تار تہہ خانہ میں تھا اس وقت میرے وہاں موجود ہونے اور تیری ہر حالت سے باخبر رہنے کا تجھے یقین ہے؟"

حسین۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) بے شک ہے۔ گو میری ناتواں آنکھیں نہ دیکھتی ہوں مگر حضرت کا جلوہ ضرور موجود تھا۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہاں کے رموز آپ کو معلوم ہو سکتے۔

یہ سن کر شیخ نے ذرا فخر و ناز کی شان سے گرد کے لوگوں کو دیکھا اور سب نے اس شخص کے چہرے پر جس نے شک کیا تھا۔ اپنی تیز نظریں جما دیں۔ مگر اس کے دل کو ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ شیخ علی وجودی کی اتنی برہم مزاجی دیکھ چکنے پر بھی معترضانہ طریقہ سے بول اٹھا "بے شک آپ وہاں موجود ہوں گے اور حسین کی ہر حالت کو دیکھ رہے ہوں گے مگر وہ صرف آپ کی روح تھی اور متشکل نہیں ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حسین آنکھوں سے بھی آپ کے نورانی جمال کو دیکھ لیتا۔

یہ سنتے ہی شیخ کو تاب نہ رہی زور میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے، آنکھوں کی چمک دو چند ہوگئی، منھ میں کف بھر آیا۔ اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ جسدِ ناپاک نہایت ہی سرکش ہے، یہ اس نورالانور کے شہودِ باوجود کو نہ سمجھ سکتی ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہے کسی کو یہ راز بھی نہیں معلوم کہ دنیا کیوں ہے اور یہ روح اس پنجرۂ خاکی میں ایک مدّت تک کیوں قید رکھی جاتی ہے۔ اس کا راز مجھ سے سنو میں وہ شخص ہوں کہ جو سرو شبستان اور عالمِ لاہوت کا ایک آن میں دورہ کر آتا ہوں۔ اور ان رموز کو جو اس ازلی تنوّع، نورِ لاہوتی یعنی عرش اعلیٰ کے اطراف میں لکھے ہیں پڑھ آتا ہوں۔ اصل یہ ہے

کہ جسم میں آنے سے پیشتر روحِ مجرّد میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ کسی مادّی مسرت سے لطف اٹھا سکے اس وقت وہ محض مجرد ہوتی ہے اور حظوظ و لذائذ سے فائدہ یاب ہونے کے طریقوں سے بالکل بے خبر۔ صرف اسی چیز کا سبق لینے کے لیے وہ اس جسم خاکی میں رکھی جاتی ہے۔ وہ محدود زمانہ جسے تم زندگی کہتے ہو اور ہم روحوں کے کمال حاصل کرنے کا مدرسہ صرف اس لیے ہے کہ روحِ لطیف اس مادّہ کے ساتھ علائق پیدا کر کے ہر قسم کی لذتوں اور ہر قسم کے الموں سے اتنی آشنائی پیدا کرے کہ اس سے علیٰحدہ ہونے کے بعد بھی جب چاہے اپنے آپ کو متحیّر و متشکّل اور لذّت و الم سے متاثر کر سکے جس طرح کوئی شخص مدارج روحانی طے کرنے کے بعد یہ صلاحیت اور قوت حاصل کر لیتا ہے کہ اس کے جسم میں رہنے کی حالت میں بھی اپنے آپ کو غائب یا روحِ مجرّد کی طرح غیر متشکل و غیر متحیّر بنا لے۔ اسی طرح روحِ انسانی بھی عموماً اس جسم خاکی کے حجرے میں بند ہو کر اتنا چلّہ کھینچ لیتی ہے کہ اس کے چھوڑ دینے کے بعد بھی جب چاہے اپنے آپ کو جسم اور شکل میں ظاہر کر دے۔ پھر اس کا کمال اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ جس اور جیسی شکل میں چاہے نمودار اور آشکار ہو جائے۔ بہت سے باکمال بزرگوں اور شہیدوں کو سنا ہو گا کہ ان کے جسم تو قبر کے کونے میں پڑے سڑ رہے تھے۔ مگر روح اکثر لوگوں کی نظر کے سامنے اپنی یا کسی دوسری شکل میں نمودار ہوئی یہ صرف ایک روح ہے جس نے بغیر جسم میں آئے اس کمال کو حاصل کر لیا۔ اس سے مراد جبرئیل ہیں جو کبھی دحیۂ کلبی اور کبھی دیگر پیکروں میں رسول اللہ کے سامنے نمودار ہوئے مگر اس کا راز کا جاننے والا اس عالم میں سوائے میرے کوئی نہیں کہ جبرئیل نے یہ کمالِ روحی کیونکر حاصل کیا۔ سنو مسیح کی ولادت کو ایسے رمز سے تعلق ہے۔ جبرئیل ہی تھے جو مریم صدیقہ کے جسم میں حلول کر کے مسیح کی صورت میں متحیر ہوئے اور تھوڑے زمانے میں اپنا روحی کمال حاصل کر کے چلے گئے۔ مسیحیوں کو دھوکا ہوا کہ خدا تھا مگر نہیں وہ صرف ایک روح تھی جو ایک جسم سے جس میں دوسری روح موجود تھی کمالاتِ جسمانی حاصل کر کے آسمان پر چلی گئی۔ مسیح کی روح ایک دوسری روح

تھی جوان کے جسم میں تھی مگر اسی کے ساتھ جبرئیل کی روح بھی ان کے پیکر میں اُتر کے چند روز رہی اور مسیح کے جسم میں الوہیت کی شان نمودار کر کے غائب ہو گئی مردوں کا زندہ کر دینا یہ مسیح کا کام نہ تھا بلکہ صرف جبرئیل کی ملکوتی قوّت کا مشہور اور مسلم نتیجہ تھا جس کا تجربہ لوگوں کو موسیٰ[1] کے عہد میں بھی ہو چکا تھا۔ مگر جن کو خدا نے چشمِ بینا نہیں دی وہ آج بھی نہیں سمجھ سکتے اور مسیح کے اس معجزہ کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں۔ الغرض یہی متحیر و متشکل ہو سکنے کا کمال ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے ہر روح دنیا میں آئی ہے۔ اور یہاں سے جانے کے بعد اسی کمال کے مطابق جنّت و دوزخ میں اپنے کردار کا جزا و ثواب پاتی ہے۔

تم میرے کمالات سے ناواقف ہو میں وہ شخص ہوں کہ خود ہی نہیں ہر شخص کو اس ملاءِ اعلیٰ پر پہنچا کر وہاں کی ہر چیز دِکھا سکتا ہوں اور میرے اختیار میں ہے کہ جنّت کے روحانی پیکروں کو اس جسم خاکی کے سامنے لا کھڑا..... شیخ نے یہیں تک کہا تھا کہ حسین روتا اور التجا کرتا ہوا ان کے قدموں پر گرا اور کہا یا حضرت! مجھے کسی مسئلے میں شک نہیں مگر اتنی تمنا ہے کہ اس سرو شبستان اور جنّت میں ہو آؤں۔ وقت ہو گیا کہ اپنی التجا آپ کے سامنے پیش کروں اور یقین ہے کہ محروم نہ رہوں گا۔

حسین دیر تک شیخ کے قدموں پر لوٹا رہا مگر شیخ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ چند ساعت تک خاموش کھڑے رہے۔ پھر اس کو اُٹھا کر بٹھایا اور کہا حسین میرے

---

[1] بعض مفسّرین لکھتے ہیں کہ جناب موسیٰ بحرِ قلزم کے اندر داخل ہو گئے تو فرعون نے بھی تعاقب کے لیے بڑھنا چاہا مگر اس کا گھوڑا نہ بڑھتا تھا اس وقت جبرئیل ایک گھوڑے پر سوار نمودار ہوئے اور بڑھے جس کے ساتھ ہی فرعون کا گھوڑا بھی قعرِ دریا میں اُترنے لگا سامری نے جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی اٹھا کر رکھ لی تھی اور اسی مٹی کے ڈالنے سے وہ گئو سالہ بولنے لگا جس کی بنی اسرائیل نے پرستش کی۔

اس وقت کے جوش سے تو نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ خیر اب اس وقت تو تامّل کر کل تنہائی میں پھر درخواست کرنا۔ بے شک وقت آگیا کہ تجھے اس محنت و ریاضت کا پھل ملے مگر ابھی تیرا امتحان باقی ہے اور سخت امتحان۔ ابھی مجھے دیکھنا ہے کہ تو نے کہاں تک اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اور یاد رکھ کہ جس قدر تجھے مرشد کا حکم بجالانے میں تامّل ہوگا۔ اسی قدر اپنا مقصد حاصل کرنے میں دیر ہوگی "۔

سب مرید رخصت ہو کر چلے گئے۔ حسین بھی جا کر اپنے بچھونے پر لیٹا۔ مگر یہ رات اس نے نہایت ہی انتظار و اضطراب میں گزاری اس لیے کہ آتشِ شوق تیز تر گردو کا مضمون تھا۔ صبح کو نماز کے بعد جیسے ہی شیخ علی وجودی نے وظیفے سے فراغت پائی اور ختم کر کے بیٹھے ہی تھے کہ حسین ان کے قدموں پر گر پڑا اور چلایا "اب زیادہ صبر کی تاب نہیں آپ کو سب حالات خود معلوم ہوتے ہیں مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں مگر خدا کے لیے زمرّد سے جلدی ملائیے "۔

شیخ۔ بہتر۔ تو زمرّد سے ملے گا؟ اس کے وصل سے کامیاب ہوگا۔ مگر اس کے لیے اچھی طرح تیار ہے؟

حسین۔ دل و جان سے تیار۔

شیخ۔ دیکھ تجھے تامّل نہ ہو۔

حسین۔ ذرا نہیں۔

شیخ۔ تیرے دل میں شک اور بدعقیدگی نہ پیدا ہو۔

حسین۔ نہیں ہرگز نہیں۔

شیخ۔ وہ جرأت کا کام ہے۔

حسین۔ میں جان لڑا دوں گا۔

شیخ۔ اس میں خطرے بھی ہیں۔

حسین۔ ہوں۔

شیخ ۔ تو سن ۔

حسین ۔ ارشاد ۔

شیخ ۔ ابھی نہیں، دل مضبوط کر لے ۔

حسین ۔ خوب مضبوط ہے ۔

شیخ ۔ مجھے معلوم ہے کہ تو نے کتبِ درسیہ امام نجم الدین نیشا پوری سے پڑھی ہیں اور انہیں کا تو مرید بھی ہے ۔

حسین ۔ (حیرت سے) بے شک ہوں پورے پانچ سال ان کے حلقۂ درس میں شریک رہا ۔

شیخ ۔ تیرے دل میں ان کی کتنی وقعت ہے ؟ ۔

حسین ۔ تمام عالم میں آپ کے بعد بس انھیں کو بڑا عالم و فاضل اور بہت بڑا خدا شناس اور سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار سمجھتا ہوں ۔

شیخ ۔ خیر تو جا ان کے جلسہ میں پھر شریک ہو اور جس وقت موقعہ ملے ان کو قتل...

.....

شیخ کی زبان سے اتنا ہی نکلا تھا کہ حسین نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔

تیسرا باب

ملاءِ اعلیٰ کا سفر

امام نجم الدّین نیشاپوری اس عہد کے بڑے امام تھے۔تمام زمانہ میں ان کی نیک نفسی اور ان کے علم و فضل کی شہرت تھی اور شاید ہی کوئی مقام ہوگا جہاں ان کے شاگرد مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی مقتدائی نہ کر رہے ہوں۔ حسین کے وہ استاد و مرشد ہی نہیں بلکہ چچا بھی تھے۔ان کا اصلی وطن شہر آمل میں تھا۔ مگر کم عمری ہی میں طلبِ علم کے شوق میں گھر سے نکل گئے تھے۔دنیا کی بڑی بڑی درس گاہوں میں شریک ہو کر بغداد پہونچے، ایک مدّت دراز تک مدرسہ نظامیہ کی طالبعلمی کی پھر مشرقی بلادِ علم کی سیاحت میں مشغول ہوئے۔ بخارا، ہرات کی علمی صحبتوں میں شریک ہو کر اور وہاں کے علماء کی درسگاہوں سے خوشہ چینی کر کے نیشاپور آئے اور وہیں متوطّن ہو گئے۔ اب ان دنوں وہ علم و فضل کے بڑے مرکز اور خدا شناسی کے نامور قطب بنے ہوئے تھے۔ حسین نے ایک ایسے نیک نفس اور باخدا عزیز کے قتل کرنے کا حکم سنا تو یکایک کچھ ایسی حیرت و پریشانی ہوئی کہ بے ہوش ہو گیا۔ شیخ علی وجودی نے اسے ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر نہ کی بلکہ اسی طرح زمین پڑا رہنے دیا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ انتظار کرتے رہے کہ حسین خود ہی ہوش میں آ کر حکم بجا لانے کا وعدہ

کرے۔ مگر جب اسے ہوش میں آنے میں دیر ہوئی تو اسی طرح چھوڑ کر ایک دوسرے حجرے میں چلے گئے۔ شاید دو گھنٹے میں حسین کو ہوش آیا۔ اور اس کے ساتھ ہی شیخ کا واجب التعمیل حکم بھی یاد آیا۔ قریب تھا کہ دریائے غفلت میں پھر ایک غوطہ لگائے مگر سنبھلا اور اُٹھ کر چاروں طرف دیکھا۔ شیخ علی وجودی غائب تھے۔ اور تنہا وہی تھا گذشتہ باتوں کو یاد کر کے حیرت کرنے لگا۔ کیا مجھے شیخ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ بے شک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ایسے نیک نفس اور حقیقت بیں شیخ نے تو اس قسم کے سخت ظلم و گناہ کا حکم نہ دیا ہوگا۔ مجھے قتلِ عمد کی ہدایت اور قتل بھی کس کا؟ شیخ نجم الدین نیشاپوری کا جن سے بڑا عالم و فاضل اس وقت صفحۂ ہستی پر نہیں۔ یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی مگر فرض کر لیا جائے کہ شیخ نے یہی حکم دیا ہے تو کیا یہ مجھ سے ہو سکے گا کہ اپنے پیر و مرشد اور باخدا چچا کو قتل کر ڈالوں (کانپ کر) بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دنیا کیا کہے گی اور پھر دین میں بھی تو ہے کہ من قتل مومناً متعمداً فقد کفر اس حکم کو بجالا کے سوا اس کے کہ روسیاہیِ دارین حاصل کروں اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا پس خسی الدنیا والاخرۃ کے سوا اور کچھ نہیں لیکن ہاں شیخ نے کہا تھا کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اس میں بھی کوئی فائدہ ضرور متصوّر ہوگا۔ حقیقت میں وہ رموزِ قدرت جانتے ہیں امام نجم الدین شیخ علی وجودی کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ خیال میں آتا ہے کہ شیخ علی وجودی کی نیت بُری ہے، کوئی تعجب نہیں کہ اگر کسی روحانی مصلحت سے انھوں نے بظاہر ایسے مکروہ کام کا حکم دے دیا ہو۔ واقعی اگر یہی حکم ہوا ہے تو مجھے تامّل نہ کرنا چاہیے یہ میرا پہلا امتحان ہے اگر ذرا بھی عذر کیا تو گنہگار بھی ہوں گا اور زمرّد کے وصال سے بھی محروم رہوں گا، اس تعمیل حکم میں دینی فائدہ تو بدیہی ہے کیونکہ شیخ کا امر واجب الاذعان ہے باقی رہی دنیاوی بدنامی تو اس کی ہستی نہیں اگر کسی قدر ہے بھی تو اس کے عوض میں کتنا بڑا فائدہ ہے کہ پیاری زمرّد کی ہمکناری اسی زندگی میں نصیب ہو جائے گی۔

دل میں یہ خیال جما کر حسین حجرہ سے نکلا اور مختلف حجروں میں ڈھونڈتا ہوا اس

حجرہ میں پہونچا جس میں شیخ علی وجودی تھے ان کی صورت دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا اور چلّایا مجھے وہ حکم یاد نہیں رہا جلدی بتائیے کہ تعمیل کو روانہ ہوں ۔

شیخ ۔ دیکھو۔اب کے تامّل نہ ہو، مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے دل میں بدگمانی پیدا ہو اور تم اپنی ساری محنت ضائع کردو۔خوب یاد رکھو کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے ۔

حسین ۔ خوب یاد ہے اور مجھے ذرا تامّل نہ ہوگا ۔

شیخ ۔ تو جاؤ امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کردو ۔

حسین ۔ (دل مضبوط کرکے) بہتر لیکن اگر میں مار ڈالا گیا ؟ ۔

شیخ ۔ کوئی مضائقہ نہیں بلا زحمت زمرّد سے جا ملوگے ۔مگر مجھے معلوم ہے ایسا نہ ہوگا ۔

حسین ۔ تو میں رخصت ہوتا ہوں ۔

شیخ ۔ ٹھہرو (ایک تیز خنجر نکال کر) یہ اس خنجر کو اپنے پاس چھپا کے رکھو اور جس وقت موقعہ ملے اس سے کام لینا ۔

مرشد کا عطا کیا ہوا خنجر لے کر حسین نے اپنے استاد کی جان لینے کو مشرق کی راہ لی ۔ڈیڑھ مہینے بعد بغداد پہونچا ۔ وہاں سے چل کر اصفہان اور اصفہان سے ایک مہینہ بعد نیشاپور پہونچ گیا ۔حلب سے نکلے چار مہینے ہوئے تھے کہ امام نجم الدین کی درسگاہ میں حاضر ہوگیا۔امام موصوف پہچانتے ہی بغلگیر ہوئے اور بے انتہا شفقت سے پیش آئے ۔گھر کے خطوط سے انھیں یہ خبر معلوم ہو چکی تھی کہ حسین ایک شریف لڑکی کو ساتھ لے کر بدنامی کے ساتھ نکل گیا ۔جس کا تذکرہ کر کے انھوں نے افسوس کیا اور کہا "حسین ! مجھے ایسی اُمید نہ تھی کہ علم کو اس ذوق و شوق سے حاصل کر کے تم اس کی بے حرمتی کروگے "

حسین ۔ یا عم ! میں کسی بُری نیت سے نہیں لے گیا تھا ۔ زمرّد کا عقد میرے ہی ساتھ ہونے والا تھا ۔اور وہ حج کی بے انتہا مشتاق تھی ۔اس علم دین کی وجہ سے مجھے ناگوار ہوا

کہ اس کی اس ذہنی خواہش کا لحاظ کروں، بے تامل ساتھ لے کر چل کھڑا ہوا۔

امام۔ اور اب کہاں ہے؟

حسین۔ یہ جبال طالقان کی گھاٹیوں میں پریوں کے ہاتھ سے مار ڈالی گئی۔

امام۔ (مسکرا کر) ایسا مہمل اور بے سروپا قصہ بنانے سے کیا حاصل؟ اسے کوئی تسلیم ہی نہ کرے گا۔

حسین۔ جس بے تکلفی سے میں نے یہ قصہ بیان کر دیا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ میرے بیان میں کسی بناوٹ کا دخل نہیں۔

امام۔ خیر اب یہاں کس غرض سے آئے ہو؟

حسین۔ آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کے لیے زمرد کے غم میں میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ علائق دنیوی کو چھوڑ دوں اور چاہتا ہوں کہ یہ باقی ماندہ زندگی تحصیلِ علم ہی میں صرف ہو جائے۔

امام۔ اگر ایسا ہے تو خدا تمھارے ارادے میں برکت دے اور تمھیں توفیق ہو کہ میرے بعد اس درس گاہ کے مالک بنو۔

الغرض حسین امام نجم الدین کے خوشہ چینوں میں شامل ہو گیا اور چونکہ بھتیجا تھا۔ ان کے دل میں روز بروز اپنا زیادہ اعتبار پیدا کرتا گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنا موقعہ بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ امام اکثر اوقات طلبا اور معتقدین کے مجمع میں رہتے تھے جس کی وجہ سے تین مہینے گذر گئے اور حسین کو خنجر نکالنے کا موقعہ نہ ملا چوتھے مہینے میں کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اتفاقاً امام کو شدت سے بخار آیا اور کئی دن تک درس و تدریس کا سلسلہ موقوف رہا۔ اس بے کاری کے زمانے میں اکثر طلبا تو اِدھر اُدھر پھرتے رہتے مگر حسین نے شیخ کی تیمارداری میں انتہا سے زیادہ گرم جوشی اور سعادتمندی دکھائی شب و روز ان کی دیکھ بھال اور خدمت گزاری میں مصروف رہتا۔

امام کو بخار آئے چھٹا دن تھا کہ ایک رات کو اتفاقاً ان کے حجرے میں اکیلا حسین ہی تھا۔ رات زیادہ آ چکی تھی۔ اور امام بچھونے پر لیٹے ناتوانی کی آواز میں اس سے باتیں کر رہے تھے۔ حسین خلاف معمول آج زیادہ خاموش تھا۔ ان کی باتوں پر ہونکاری تو ضرور بھرتا جاتا تھا۔ مگر اس کے سوا کوئی اور لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا تھا کئی مرتبہ امام کو تعجب بھی ہوا۔ بلکہ ایک مرتبہ پوچھنے لگے کہ آج تم خاموش کیوں ہو مگر حسین نے "یونہی" کہہ کر ٹال دیا۔ حسین ساکت تھا اور باہر نکل کر تاروں سے دریافت کرتا تھا کہ رات کتنی آئی۔ آخر آدھی رات گزر گئی۔ اور حسین کو اطمینان ہو گیا کہ اب صبح تک کوئی نہ آئے گا اس بات کا یقین کر کے اس نے حجرے کا دروازہ خوب مضبوطی سے بند کر لیا اور پاس جا کر دیکھا تو امام کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ دیر تک کھڑا اُن کی صورت دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور ساعت بساعت اپنے استاذ اور بزرگ پر کاری وار کرنے کے لیے زیادہ تیار ہوتا جاتا تھا۔ اس قسم کے خونریز کاموں سے وہ کبھی آشنا نہ تھا۔ دل کو زور دے دے کر اُبھارتا تھا مگر خیالات ایسا پلٹا کھاتے کہ بار بار ہمت ہار دیتا۔ حجرے میں ہر طرف ایسی ایسی خیالی باتیں نظر آئیں اور ان کا ایسا رعب پڑتا تھا کہ معلوم ہوتا کہ جیسے فرشتے یا کسی اور قسم کی غیر جسمانی مخلوق امام کی حفاظت کر رہی ہے۔ خود امام کا چہرہ کبھی اس کے خیال کی آنکھوں میں نہایت ہی نورانی بن کر سفارش کرتا اور کبھی بھیانک اور مہیب نظر آ کے ڈرا دیتا۔ مگر ان سب خیالات کو اس نے مٹا دیا۔ شیخ علی جودی کا عطا کیا ہوا خنجر نکال کر اس کی باڑھ دیکھی اور یکایک دل کو مضبوط کر کے امام کے سینہ پر چڑھ بیٹھا امام نے چونک کر آنکھ کھولی اور چلّانے ہی کو تھے کہ اس کا بایاں ہاتھ ان کے منہ پر اور خنجر ان کے دل میں تھا۔

چند ہی لمحہ میں امام کی روح پرواز کر گئی۔ خون تمام حجرے میں پھیلا ہوا تھا۔ بے جان لاش خون آلودہ کپڑوں میں لپٹی ہوئی بستر پر پڑی تھی اور گو یہ زور آوری کا کام نہ تھا مگر حسین کے دل کو اتنی شدید حرکت ہوئی تھی کہ کھڑا کانپ رہا تھا اور بار بار اپنے ہاتھ کے معصوم شہید

کی مظلومانہ لاش کو ڈر ڈر کے دیکھتا تھا آخر حسین نے ان سب چیزوں کو اسی حال میں چھوڑا حجرے کے خوفناک سین پر سہمی ہوئی آنکھوں سے آخری نظر ڈالی اور دروازہ کھول کر نکلا، حجرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ اور چپکے چپکے قدم اٹھاتا ہوا چلا۔ شاید زیادہ وقت نہ ہوا ہوگا کہ شہر کی خانقاہ سے دور نکل گیا۔ نیشاپور کے گرد نہایت ہی مضبوط فصیل تھی اور پھاٹک رات کو بند ہو جاتے تھے۔ جس کے سبب سے اس وقت اسے باہر نکلنے میں بہت دشواری نظر آئی۔ مگر وہ جان پر کھیل کر ایک تیز و تار بدرو کے ذریعہ سے باہر نکلا اور نکلتے ہی نہایت تیزی سے بھاگا تاکہ صبح ہونے سے پہلے ہی دور نکل جائے کہ کوئی اسے پا نہ سکے۔

دوسرے دن جب وہ شوق کے پیروں سے اڑتا ہوا خراساں کے مغربی میدان اور جنگل قطع کرتا ہوا چلا جاتا تھا اس وقت اس کے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے اور اپنا ظلم و گناہ یاد آیا جو ہر پہلو سے برا نظر آتا تھا۔ اس خیال کو ٹالنے کی برابر کوشش کرتا تھا، مگر بار بار زبان سے ایک آہ کے ساتھ یہ جملہ نکل ہی جاتا تھا کہ 'میں بڑا گنہگار ہوں'، اس کا دل اور اس کا ایمان اس پر لعنت کرتا رہا لعنت اور پھٹکار کی آواز کان میں آتی تھی اور چونک چونک کر کہتا کہ 'اس فعل کے ذمہ دار شیخ علی وجودی ہیں'؛ مگر خود ہی دل میں قائل ہو جاتا کہ امام کا کام تو میرے ہاتھ اور میری سنگدلی نے تمام کیا ہے۔ ذمہ داری کسی اور کے سر کیونکر جا سکتی ہے اب اس کے دل نے شیخ کے اس اصول میں بھی شک پیدا کیا کہ مرید مرشد کے ہاتھ میں صرف ایک بے جان اور غیر ذمہ دار آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ آپ ہی آپ کہنے لگا 'یہ انھیں علمائے روحانیئں کا یہ مسئلہ اگر صحیح ہے کہ ثواب اور عذاب اسی لذت والم کا نام ہے جو اپنے کردار کے نتائج میں خود اپنے کانشینس اور دل کی تحسین و ملامت سے پیدا ہوتے ہیں تو انسان کے فعل کا دوسرا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو کہ میں نے ایک کام کیا اور گو وہ کسی مشیر و صلاح کار کے خیال میں اچھا ہو۔ مگر میرے نزدیک برا اور

قابلِ ملامت ہے تو اس ارتکاب پر میرا دل مجھ پر ضرور لعنت کرے گا۔ اور جب اسی لعنت کے الم کو اصطلاحِ شرع میں عذاب سے تعبیر کیا ہے تو بے شک میں دوزخ اور عذاب سے نہ بچ سکوں گا۔ الغرض حسین کے دل نے اسے قائل کیا۔ اب وہ پچھتا رہا ہے۔ اور سخت روحانی تکلیف میں مبتلا ہے مگر اس کے ساتھ ہی شیخ علی وجودی کی وقعت بھی ویسی ہی دل میں موجود ہے۔ شیخ علی کی وہ ایسی ایسی کرامتیں دیکھ چکا ہے کہ ان پر بدگمانی نہیں کر سکتا بلکہ بعض اوقات ڈر جاتا ہے کہ شیخ غیب کے اور دلوں کے حالات سے واقف ہیں۔ میرے یہ شکوک کہیں ان کو معلوم ہو گئے تو غضب ہو جائے گا۔ اِدھر سے بھی جاؤں گا اُدھر سے بھی۔ اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی زمرّد کے وصال سے محروم رہا تو حسرت ہی رہ جائے گی۔

حسین اسی قسم کے خیالات دل میں لیے ندامت کے دریا میں غرق اپنے عمل پر پچھتاتا ہوا شہر حلب میں داخل ہوا۔ اور شیخ کے سامنے جاتے ہی قدموں پر گرنے ہی کو تھا کہ انھوں نے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور نہایت ہی جوش سے کہا حسین تو اپنے امتحان میں پورا اترا۔ اب زمرّد تجھ سے زیادہ تیری مشتاق ہے اس نورالانوار کے انوارِ ازلی نے تیرے دل پر پورا انعکاس کیا۔ اور تیرے جسم کی اس مشتِ خاک نے یہ صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ اس عالمِ نور اور سرد شبستان کی تجلیات کی متحمّل ہو سکے۔

حسین۔ مگر یا حضرت میرے دل میں اس ظالمانہ فعل کی نسبت طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

شیخ۔ (جوش میں آکر) بے شک پیدا ہوتے ہوں گے۔ روح اس مادّہ کی کثافت سے بڑی دشواریوں سے علیٰحدہ ہو سکتی ہے۔ اور صرف یہی چیز ہے جو ان شکوک اور شبہات کو پیدا کرتی ہے۔ وہ مرکز اشراقی جو باوجود لاحق ہونے کے حیاتِ سرمدی کا حشمہ ہے اس جسمانی روح پر جو قفسِ عنصری میں مقیّد ہے اپنے تنوعاتِ عشق بمشکل

آشکارا کر سکتا ہے۔

حسین۔ مگر ایسے اطمینان بخش نصائح ارشاد ہوں کہ دل سے یہ شبہات نکل جائیں۔

شیخ۔ سُن! اے حسین۔ استقلال تیرے شکوک کو دور کر دے گا۔ بشرطیکہ تو ان کے رفع کرنے کی کوشش میں مشغول رہے مگر تیرے اطمینان کے لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا میں تکمیلِ نفس اسی کا نام ہے اور یہی منشارِ الٰہیات ہے کہ روح کے تعلقات جسم سے علاحدہ کیے جائیں۔ جسمانی افعال پر تصرّف کرتے کرتے روح عادی ہو جاتی ہے کہ بلا استعانت مادّہ کوئی کام نہ کر سکے اور وہ روحیں جو جسم کے چھوڑتے وقت انھیں مادّیات میں پھنس کر رہ گئیں۔ وہ بعد میں بھی ہر وقت اپنے گرد مادّہ کا تیرہ و تار غبار پاتی ہیں اور یہی چیز اصطلاح شرع میں ان کا دوزخ ہے۔ نجات کی کوشش یوں ہونی چاہیے کہ زندگی ہی میں روح کے علائق جسم سے کم کر دیے جائیں۔ اس کوشش کی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ جسم سے ایسے کام لیے جائیں جن سے روح کو تعلق نہ ہو۔ روح بے تاب ہو ہو کر ان کی طرف متوجہ ہونا چاہے اور انسان بہادری اور مضبوطی سے اسے جبراً روکے یہی الٰہیات کی تعلیم اولیٰ ہے۔ دوسری یعنی تعلیم وسطیٰ یہ ہے کہ روح ایسے کام کرے جن سے جسم کو تعلق نہ ہو۔ جو لوگ دور دراز شہروں میں اپنی روح سے اثر ڈال دیا کرتے ہیں ان کی نسبت سمجھ لینا چاہیے کہ وہ عالمِ روحانیات کے اس درمیانی درجے کو طے کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تیسرا درجہ یہ ہے کہ روح جسم سے اتنی علاحدگی حاصل کرے کہ اس نور الانوار کے انکشافات کی جستجو میں مادّے کے مبرّا و منزّہ ہو کے ملکوت اور عالمِ لاہوت کی سیر کرے اور اس تیسرے درجے یا اس اعلا جستجو کے زمانے میں جو کوئی مر جاتا ہے وہ جسمِ خاکی کو الوداع کہتے ہی اس نقطۂ اولیٰ واجب الوجود اور علت العلل سے جا ملتا ہے۔ اس وقت اسے وہ اعلا کمالِ روحانی حاصل ہوتا ہے کہ جس کی تحصیل کے لیے اس نے عالمِ مادّی کی یہ قید اُٹھائی تھی۔ اور اخشیجستان کے مصائب میں مبتلا ہوا تھا۔ اب اس کی یہ حالت ہوئی ہے کہ ایک طرف تو تعلقاتِ جسدی کی مادّی تعلیمات سے اس میں یہ صلاحیت پیدا

ہو جاتی ہے کہ جب چاہے اس عالم کے سامنے اپنے آپ کو متخیّل و متشکّل کر کے دکھا دے اور دوسری طرف اس میں کمالِ روحانیت اور تجرّد اس درجے کا ہوتا ہے کہ جب چاہے اس نقطۂ ازل اور اولیٰ مرکزِ نورالانوار سے جا ملے، لہٰذا اے حسین! تو اس مدرسۂ روحانیات کی ابتدائی جماعت میں ہے اور ابھی اس امر کی مشق کر رہا ہے کہ تیرے ارکان و جوارح سے ایسے افعال و حرکات صادر ہوں جن کی طرف تو منسوب ہے۔ یہ لعنت ملامت جو تیرا نفس اور تیری روح تجھ پر کر رہی ہے اسی تعلق روحی کا نام ہے جس سے قطع کرنے کی کوشش تجھے کرنی چاہیے اور جب تو یہ کمال حاصل کرے گا کہ روح کو تیرے اعضاء کے کسی فعل کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ اس وقت دوسرے درجۂ توحید میں قدم رکھے گا۔

حسین۔ تو میں ان الزاموں اور ملامتوں کی پروا نہ کروں جو خود میرے دل سے مجھ پر پڑ رہی ہیں۔

شیخ۔ ہرگز نہیں، اسی امر کی تجھے مشق کرنا ہے اور اس نورالانوار کی طرف توجہ کرنی بھی پہلا زینہ ہے۔

حسین۔ حضرت آپ اس خداوندِ جل و علا کو نورالانوار کیوں فرماتے ہیں۔ اس کا رمز میں نہیں سمجھ سکا۔ وہ حضرت رب العزّت بے شک نور ہے۔ مگر الانوار کیوں؟

شیخ۔ (برہم ہو کر) وہ نقطۂ وحدت اور وہ سرچشمۂ تکوین اس سے بالکل منزّہ ہے کہ ہم اپنے مادّی خیال کے صفات کو اس کی جانب منسوب کریں اور وہ ایسا ہے لیس کمثلہ شیٔ

حسین۔ مگر جب خود اللہ جل شانہٗ نے ان صفات کو اپنی طرف منسوب کر لیا تو ہمیں کیا تامّل ہو سکتا ہے۔

شیخ وجودی کی برہمی کی اب انتہا نہ تھی۔ انھوں نے حسین کو غضب آلود اور سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور بولے بے شک انسان ظلوم و جہول ہے۔ یہ تیرے خیال میں

نہیں آتا کہ ہم بھی محض اسی کے ارشاد کے بموجب ان صفات کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ہم اسے نور کہتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے خیال کے نور سے وہ منزّہ ہے، لہذا اسے الانوار بھی کہہ دیتے ہیں۔

حسین۔ بے شک صحیح ہے۔ اب میرا اطمینان ہو گیا۔ اور انشاء اللہ کبھی اپنے افعال پر نہ پچھتاؤں گا۔ لیکن امیدوار ہوں کہ اب مجھے وہ سرو شبستان دکھایا جائے جہاں میری زمرّد اجرامِ فلکی کے پہلو میں بیٹھی جلوہ افگنی کر رہی ہے۔

شیخ۔ بہتر۔ یہ کہہ کر شیخ نے اُٹھ کر اپنی کتابوں کا صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی۔ پھر اس کے ورق اُلٹے۔ ایک خط نکالا۔ اور اس خط کو حسین کے ہاتھ دے کر کہا "لے اس خط کو احتیاط سے رکھ اور اسی وقت روانہ ہو کر شہر اصفہان کی راہ لے۔ یاد رکھ کہ اصفہان کے شمالی پھاٹک کے باہر ایک شکستہ اور قریب الانہدام مسجد ہے۔ اس مسجد میں تو ایک فقیر کو پاوے گا جو بظاہر بھیک مانگتا ہے مگر باطن میں بڑا خدا شناس شخص ہے یہ فقیر ہر وقت دنبے کی کھال اوڑھے رہتا ہے اور انکسار اً یہ صدا لگا کر راہ گیروں سے مانگتا ہے کہ 'دہن سگ بہ لقمۂ دوختہ بہ' کاظم جنوبی اس کا نام ہے۔ یہ خط لے جا کر اس کے ہاتھ میں دے اور میرا سلام کہہ۔ رات کو تجھے وہ ایک غار میں لے جائے گا۔ جہاں ایک بڑے واقفِ اسرارِ سرمدی سے ملے گا۔ اور اسی وقت تو جنّت کے مدارج طے کرنا شروع کر دے گا اور چند ہی روز کی زندگی میں جو زیادہ تر خواب سی ہو گی فردوسِ بریں کے اعلیٰ منازل میں جا پہونچے گا"

حسین نے یہ خط لے کر شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر رخصت ہونے کے طریقے سے ان کے قدم چومے اور اصفہان کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا۔ اب اس کا یہ سفر زیادہ اطمینان کا تھا۔ گناہ کی ندامت اور ملامت کے اثر کو شیخ علی وجودی کی تقریر نے اس کے دل سے بالکل محو کر دیا تھا۔ امید و آرزو کا باغ آنکھوں کے سامنے تھا کہ گویا زمرّد آ کے ہمکنار

ہوا ہی چاہتی ہے۔ الغرض اسی اطمینان اور ان ہی مسرتوں کے ساتھ بغداد ہوتا ہوا وہ اصفہان پہونچا۔ شمالی پھاٹک کے باہر مسجد کے دروازے پر متردد کھڑا تھا کہ کان میں آواز آئی "دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" فوراً دوڑ کے مسجد میں گیا اور شیخ کا خط نکال کر کاظم جنوبی کے ہاتھ میں دے دیا جو دنبے کی کھال اوڑھے بیٹھا زور شور سے صدائیں لگا رہا تھا۔

کاظم جنوبی نے حسین کو حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا۔ اور جوش وحشت کے لہجہ میں چلا اُٹھا "حذر! از اہلِ عالم حذر" مگر جب خط کو پڑھا تو فوراً اُٹھ کر بغل گیر ہوا۔ اور کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو۔ آؤ بیٹھو کھا پی کر آرام لو۔ رات ہو تو تم کو شیخ الجب[1] کے پاس لے چلوں۔ انھوں نے خیاثۃ الجب اختیار کر لی ہے۔ دن چونکہ مظہر النور ہے۔ لہذا دن بھر وہ اپنے اوپر انوارِ لاہوت اکبر کا انعکاس کرتے ہیں اور رات چونکہ تیرہ و تار اور نمونہ ظلمت ہے لہذا اسی ظلمت میں وہ مادّی پیکروں سے ایک گونہ علاقہ پیدا کرتے ہیں۔

حسین۔ مگر معلوم نہیں مجھ سے گنہگاروں اور سیہ کاروں سے وہ ملنا بھی پسند کریں گے؟

کاظم جنوبی۔ ضرور ملیں گے۔ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو۔

حسین دن بھر اسی مسجد میں رہا۔ اور شام کے بعد جب ایک ثلث رات گزر گئی تو کاظم جنوبی اسے ساتھ لے کر بیرونی کوہستان کی طرف روانہ ہوا۔ بہت سے نشیب و فراز طے کر کے اور کئی گھاٹیوں سے گزر کر کاظم ایک بڑے غار کے دہانے پر ٹھہر گیا اور زور سے چلّایا "شیخ الجب ظلمتِ مادّی میں ایک جگنو چمکا ہے" مگر کچھ جواب نہ ملا پھر

---

[1] جب غار کو کہتے ہیں شیخ الجب یعنی غار والا شیخ خیاثۃ الجب یعنی غار میں چپکے سے غائب ہو جاتا ہے۔

کاظم جنوبی نے پکار کر کہا "ایک آئینے سے پردہ اٹھا جو تجلیات انوار لاہوتی سے منعکس ہونا چاہتا ہے" اب بھی کوئی آواز نہ آئی۔ کاظم جنوبی نے پھر پکارا "ایک اخشیجی پیکر کا مقیّد اسرارِ سرو شبستاں جانے کے لیے بے صبر ہے" اس تیسری صدا پر غار کے اندر سے چٹانوں میں گونجتی اور اندھیرے میں سنسناتی ہوئی آواز آئی "مرحبا! جوان آملی مرحبا! جنّت کی ایک حور دو سال سے تیرے فراق میں بے تاب ہے۔ میں نے اپنی سیر لاہوتی میں ایک طرف اس حور کو فردوس بریں کے گوشوں میں روتے اور دوسری طرف تجھے راہ طلب میں قدم مارتے دیکھا ہے۔ اب یہیں سے تجھے لذائذ سرو شبستانی حاصل ہونے لگیں گے۔ آ اور قدرت کے کرشمے دیکھ" اس جملے کے ساتھ ہی غار کی تہہ میں ایک روشنی نمودار ہوئی اور کاظم جنوبی نے حسین سے کہا "بس آگے میں نہیں چل سکتا۔ مجال نہیں کہ ایک قدم بھی آگے جاؤں"

حسین۔ کیوں۔

کاظم جنوبی۔ اگر یک سرِ موئے برتر پرم۔ فروغِ تجلّی بسوزد پرم!

جاؤ اور یقین جانو تم شجرِ معرفت کی ایک شاخ ہو۔

یہ سنتے ہی حسین نے کاظم جنوبی کو اوپر چھوڑا اور خود جوشِ دل کی بے خودی میں امید آرزو کے خواب دیکھتا ہوا غار میں اترا تھوڑی دیر تک تو اِدھر اُدھر کی چٹانوں سے ٹکریں کھاتا رہا۔ مگر جب اُس انتہا پر پہنچ گیا۔ جہاں سے روشنی نظر آتی تھی تو داہنی طرف ایک زینہ ملا۔ اس زینہ کے ذریعہ سے اور زیادہ نیچے گیا تو اپنے وہم و گمان کے خلاف اس خوفناک کوہستان اور درندوں کے مسکن کے نیچے ایک نہایت ہی وسیع عالی شان اور بہت بارونق مکان نظر آیا۔ جس میں ہر طرف کافوری شمعیں روشن تھیں، عود و لوبان سلگ رہا تھا اور در و دیوار پر طلائی رنگ پھیر کے نقش و نگار بنائے گئے تھے اور انہی بیل بوٹوں میں رنگین پتھر اور شیشے کے ٹکڑے جڑے تھے جن پر شمعوں کا عکس پڑ کر ہر سمت

ایک عجیب عالم پیدا کرتا تھا۔ حسین اس تمام سامانِ عیش کو دیکھ کر مبہوت و خود رفتہ ہو گیا۔ اور ایک بے صبری کے جوش میں چلّا اٹھا "کیا فردوسِ بریں یہی ہے" کہیں قریب ہی سے تسلی آمیز لہجہ میں آواز آئی "مگر سرو شبستان کی سیر کرنے والوں کے لیے پہلی منزل یہی ہے جس میں ٹھہرا کے وہ اس قابل بنائے جاتے ہیں کہ جنّت کی مسرتوں کو یکایک دیکھ کر از خود رفتہ نہ ہو جائیں۔

حسین۔ مگر آپ کون ہیں اور کہاں ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے شکر گزار ہوں۔

آواز۔ میں تیرے قریب ہی ہوں۔ ناگہاں ایک آواز آئی اور منقّش پردہ جو پہلے دیوار کا دھوکا دے رہا تھا۔ کھنچ کے نظر سے غائب ہو گیا۔ اور ایک معمّر قوی الجثہ نہایت ہی نورانی صورت کا آدمی نظر آیا جو زرتار مسند پر گاؤ سے لگا ہوا عجب بے پروائی اور بے نیازی کی شان سے بیٹھا تھا۔ اور اس کا نورانی چہرہ آئینہ کی طرح صاف تھا اور اس وقت چاروں طرف سے شمعوں نیز در و دیوار کے شیشوں کی ضو پڑنے سے آفتاب کی مثل چمک رہا تھا۔ اور سفید لمبی داڑھی مقیش کی جھالر یا آفتاب کی کرنوں کا دھوکا دیتی تھی۔

حسین یہ نورانی صورت دیکھتے ہی پروانے کی طرح دوڑ کے قدموں پر گر پڑا اور کہا 'فرمائیے آپ کون ہیں؟ شاید رضوان آپ ہی کا نام ہے؟'

پیر مرد۔ نہیں ابھی تو اس تیرہ خاکدان عنصری ہی کی حدود میں ہے۔ مگر ہاں تیری آنکھوں پر سے پہلا پردہ اٹھا ہے۔ اہلِ دنیا مجھے شیخ الجب کہتے ہیں مگر اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں طورِ معنی کہلاتا ہوں۔

حسین۔ (حیرت سے) طورِ معنی حقیقت میں وہی نور ہو گا۔ جو موسیٰ کو کوہ طور پر نظر آیا تھا؟۔

طورِ معنی :۔ مگر تو اسے ستر ہزار حجابوں کے اندر سے دیکھ رہا ہے ۔

حسین ۔ للّٰلہ وہ سب پردے بھی اٹھا دیجیے۔

طورِ معنی :۔ ابھی ان مادّی کثیف آنکھوں میں اس کی قابلیت نہیں ۔ مگر صبر کر اسی کا سامان ہو رہا ہے ۔ اور یہ سب پردے اُٹھ جائیں گے ۔

یکایک ایک خوب صورت نوعمر لڑکے نے آکر ایک شربت کا لبریز جام طورِ معنی کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور طورِ معنی نے اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھا کر کہا "اس جام کو پی اور ملکوت سے ایک درجہ اور قریب ہو جا" حسین نے وہ جام فوراً پی لیا جس کے ساتھ ہی اس کا دماغ چکر کھانے لگا۔ اور طورِ معنی کے ساتھ لپٹ کر غافل ہو گیا۔ اس غفلت اور خود رفتگی کی نیند میں کئی دفعہ اس کی آنکھ کھلی، وہ ہر مرتبہ اپنے آپ کو ایک نئے مقام میں پاتا ۔ کبھی سرسبز شاداب میدانوں میں ہوتا اور کبھی وحشت ناک اور پرخطر گھاٹیوں میں۔ ہر بیداری میں فرشتے یا انسان مگر کسی غیر معمولی قسم کے لوگ اسے سرو شبستان سے اور زیادہ قریب ہونے کا یقین دلاتے اور وہ یقین کر لیتا ۔ آخر ایک مرتبہ اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک نوجوان شخص کے سامنے تھا۔ یہ شخص حریرِ سفید کے کپڑے پہنے تھا۔ جس پر سنہرا کام تھا۔ اس کے سر پر نہایت ہی بیش قیمت تاج تھا ۔ اور اس میں اعلیٰ درجہ کے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ حسین کی آنکھ جیسے ہی اس خوب صورت نوجوان کے سامنے کھلی جو شاہانہ لباس پہنے اور مرصّع تاج سر پر رکھے تھا نہایت ہی التجا و عاجزی کے لہجہ میں کہنے لگا "اب امید و انتظار نے بے صبر کر دیا ہے"

شخص ۔ اے جسمِ خاکی تو مراحلِ تحیّر کو طے کر چکا، تجھے نہیں خبر کہ تو آسمان کے قریب اور فردوسِ بریں کے دروازہ پر ہے ۔ اب نہ گھبرا ملائکہ مقربین تیرے انتظار میں ہیں ۔ اور حوریں تیرے لیے بناؤ سنگار کر رہی ہیں ۔

حسین ۔ اور آپ کون ہیں ؟ ۔

شخص ۔ میں وہ برزخ ہوں جو لاہوت و ناسوت میں واسطہ ہے۔ یہی میرا جسم ہے جو کبھی نور بن طور سینا پر چمکا تھا۔ یہی وہ نور ہے جو مسیح کے جسم سے خدا کی شان دکھاتا رہا ۔ اور مردوں میں زندگی کا چراغ روشن کر دیتا تھا۔ یہی وہ نور ہے جو اشراق مجرّد کی شان سے رسولِ آخرالزمان کے سینے میں چمکا اور یہی وہ نور ہے جو امامت کی مشعل روشن کر کے معصوموں کے جسدوں کو بدلتا رہا ۔

حسین ۔ تو آپ ہی جبریل ہیں ؟

شخص ۔ جبریل بھی میرے تنوّعات کی ایک چھوٹی سی شمع ہے ۔

حسین ۔ شاید آپ ہی وحی لایموت ہیں ؟ ۔

شخص ۔ " وحی لایموت نہیں ۔ حیّ لایموت، مگر اس تشخیص کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ گو یہ ضرور کہوں گا کہ انا خالق الارواح ! انا خالق الاصباح[1] ! لیکن اس وقت تو ایک پیکرِ متحیّر میں ہوں ۔ اور وہ امام بن کر نمودار ہوا ہوں جس پر ایمان لانا ہر مکلّف کا فرض ہے ۔

حسین ۔ (ہاتھ سے ہاتھ ملا کر) تو میں بھی آپ کی امامت کے وسیلے سے اور اس نقطۂ وحدت کے ہاتھ پر بیعت کروں ۔

شخص ۔ حسین ! سن تو منزلِ مقصود کو پہنچ گیا ۔ مدارجِ صعود طے ہو گئے اور عنقریب اس پر شوق آغوش میں ہوگا جو دو سال سے تیرے لیے کھلی ہوئی ہے۔ اگرچہ اب کوئی دنیاوی عبادت تجھ پر فرض نہیں تاہم ارضی کثافت کا باقیماندہ اثر دل سے نکال ڈالنے کے لیے ضرور ہے کہ اس سرو شبستان کے پھاٹک پر تین دن تک بیٹھ کر تو ایک مختصر سی عبادت کرے تین شبانہ روز تیری زبان سے صرف یہی کلمہ نکلنا

---

[1] میں ہی پیدا کرنے والا روحوں کا اور میں ہی چاک کرنے والا دامانِ سحر کا ہوں ۔

چاہیے، کہ یا مرکز النور اغرقنی فی البحار الانوار[1] مگر شرط یہ ہے کہ چاہے کچھ کھا لے مگر ان تین دن میں پانی کا کوئی قطرہ تیرے حلق سے نہ اترے۔

اتنا کہہ کر یہ تاجدار شخص چند روٹیاں چھوڑ کر چلا گیا۔ اور اس کے جاتے ہی مکان کے سب دروازے یکایک اور ایک ساتھ بند ہو گئے جس میں پہلے تو یہ اپنی تنہائی کی کی حالت دیکھ کر گھبرایا مگر فوراً اس آخری مرشد اور امام کی نصیحت یاد آئی اور ریاضت، و وظیفہ میں مشغول ہو گیا۔ علی الاتصال ایک ہی جملہ کہتے رہنے اور پھر پانی نہ پینے کا یہ نتیجہ تھا کہ تیسرے روز پیاس نے مجنوں بنا دیا تھا۔ ہونٹوں سے لے کر سینہ تک سارا گلا خشک تھا۔ اور سوائے سائیں سائیں کے اور کوئی آواز نہ نکلتی تھی۔ مگر زمرّد کے شوق میں وظیفے سے زبان نہ رُکی اور اسی استقلال اور خود فراموشی سے دعا پڑھے جاتا تھا۔

تیسرے روز حسین زبانِ حال سے العطش پکار رہا تھا کہ وہ تاجدار نوجوان شاہانہ لباس پہنے ہوئے آیا اور کہا "لے اب سفرِ جنّت کے لیے تیار ہو۔ تیری ریاضت پوری ہوئی۔ تو نے سب مراحل طے کر لیے اور کوئی چیز نہیں باقی رہی جو اس راہ میں تیری مزاحم ہو مگر ہاں تو پیاسا ہے ذرا اپنے آپ کو تازہ دم کر لے" اس شخص کی زبان سے یہ جملہ پوری طرح نکلنے نہ پایا تھا کہ ایک نہایت ہی حسین و نازنین عورت ایک سونے کا مرصّع جام ہاتھ میں لیے جو ایک خاص قسم کے لطیف و خوش رنگ شربت سے لبالب تھا حاضر ہوئی۔ اس شخص نے جام کو اس حسینہ کے ہاتھ سے لے کر حسین کی طرف بڑھایا اور کہا "لے یہ وہ شرابِ طہور ہے جس کے دور فردوسِ بریں میں ہمیشہ چلتے رہتے ہیں۔ اس کے پینے سے تیری پیاس،

---

[1] اے مرکزِ نور مجھے اپنے ذروں کے سمندر میں غرق کر ....

ماندگی، تھکن اور جملہ بدمزگیاں جاتی رہیں گی اور تو ایک نہایت ہی نورانی و روحانی سرور کے ساتھ جنّت میں داخل ہوگا۔"

حسین نے فوراً وہ جام لے کر مُنھ سے لگا لیا۔ اور پیاس کی ایسی شدّت تھی کہ دو ہی گھونٹ میں اُتار گیا۔ ایک لحظہ نہ گزرا ہوگا کہ اسے اپنے سر میں گرانی سی معلوم ہونے لگی۔ جس کے ساتھ ہی خمار آلود آنکھیں جھپک جھپک کر بند ہو گئیں وہ بے ہوش تھا اور بے ہوشی بھی ایسی کہ سر و پا کی خبر نہ تھی۔

چوتھا باب

فردوسِ بریں

حسین کو خبر نہیں کہ یہ غفلت کتنی دیر تک اس پر طاری رہی لیکن مدہوشی تھوڑی کم ہوئی تھی اور نشۂ غفلت اترنا شروع ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی دل کش اور وجد آور نغمے کی آواز کان میں آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا دل فریب و دلربا پری پیکروں کا ایک طائفہ عجیب و غریب اور انتہا سے زیادہ پر لطف باجوں اور مزامیر کے ساتھ اپنے نور کے گلوں سے ولولہ خیز بہار کی مسرت انگیز دھن میں یہ ترانا مبارک باد گا رہا ہے کہ "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ"۔ ایک جوشِ مسرت کی بے اختیاری سے اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہر طرف ایسا سماں نظر آیا کہ جدھر نظر جاتی ہے "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست"۔ حسین نے اس وقت اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ ایک طلاکار اور مرصع کشتی میں سوار ہے اور نازک بدن اور پری جمال لڑکوں کی کوشش سے وہ کشتی ایک پتلی مگر بہت ہی دل کش نہر کے کنارے ابھی ابھی آ کے ٹھہری ہے۔ نرم اور نظر فریب سبزے کو شفاف اور پاک و صاف پانی اپنی روانی میں چومتا ہوا نکل جاتا ہے۔ بعض مقامات پر گنجان اور سایہ دار درخت ہیں جو پے چیدہ اور خمدار زلفوں کی طرح نہر کی گوری مگر نم آلود

پیشانی پر دونوں طرف سے جھکے پڑتے ہیں۔ مگر جہاں سے کشتی آکر کنارے لگی ہے وہاں ایک کشادہ مرغزار ہے۔ ان خوب صورت ملاحوں کے کہنے کے بموجب وہ کشتی سے اتر کر سبزۂ روئیدہ کی سیر کرنے لگا، وہاں جاکر دیکھا تو اور حیرت ہوئی۔ پانی کے پاس ہی سبزے کا ایک پتلا اور برابر حاشیہ چھوڑ کر شگفتہ اور خوش رنگ پھولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو نہر کے دونوں طرف حدِّ نظر تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگرچہ پھولوں میں شادابی و خوش رنگی کی وہی شان ہے جو صرف خودرو پھولوں میں نظر آتی ہے۔ مگر اس قدرتی بہار کے ساتھ یہ لطف بھی ہے کہ نہایت ہی لیاقت بلکہ بظاہر ما فوق العادت ہوشیاری و دانائی سے چمن بندی کی گئی ہے۔ چمنوں کی بعض قطاریں تو ایسی ہیں جن میں ایک ہی قسم اور ایک ہی رنگ کے پھول ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک ہی قوم اور ایک ہی وردی کی فوج مختلف کیمپوں پر تقسیم ہوتی ہوئی حدِّ نظر تک چلی گئی ہے۔ مگر اکثر چمن ایسے ہیں جن میں مختلف رنگ کے پھولوں کو ترکیب دے کر زمین پر ایسی ایسی گلکاریاں کی گئی ہیں کہ عقلِ انسانی حیرت میں آجاتی ہے۔ سارا مرغزار اور ساری وادی جو کوسوں دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جسے خوب صورت متوازی اور سرسبز شاداب پہاڑوں نے اپنے حلقے میں کر لیا ہے از سر تا پا ان چمنوں اور پھولوں سے بھری ہے اور مختلف نہریں جو آبشاروں کی شان سے اور پانی کی چادریں بن بن کر پہاڑوں سے اتری ہیں ان چمنوں اور پھولوں کے درمیان میں جا بجا بہہ رہی ہیں اور ان کے پانی نے خواہ پھولوں کی خوشبو سے متاثر ہو کر یا کسی اور وجہ سے گلاب اور کیوڑے کی شان پیدا کر لی ہے۔ یہ نہریں زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہم ہی تسنیم و سلسبیل ہیں۔ راستوں اور روِشوں کی ترتیب میں یہ معجز نما کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر چمن کے ایک پہلو کو نہر دھوتی ہے تو اس کے دوسرے پہلو کو ایک چھوٹی سی خوشنما سڑک اپنے آغوش میں لیتی ہے۔ یہ سڑک چمن سے بھی زیادہ کمال صنّاعی دکھا رہی ہے۔ مختلف قسم اور مختلف رنگ کے سنگ ریزوں سے ان سڑکوں کی تعمیر میں کام لیا گیا ہے اور ہر سڑک پر ایک خاص رنگ کے

سنگ ریزے بچھا کے کوئی سڑک فیروزے کی کوئی زمرّد کی کوئی یاقوت کی اور کوئی نیلم کی بنادی گئی ہے پھر ترتیب میں یہ لطف ہے کہ جس رنگ کے پھولوں کا چمن ہے اسی کی مناسب موزوں رنگ کی پتلی خوشنما سڑک بھی اس کے پہلو سے گزری ہے نغمہ سنج طیور ان چمنوں میں اُڑتے پھرتے ہیں پھولوں کے قریب بیٹھ بیٹھ کے عشق و محبت کی داستان سُناتے ہیں۔ اور خدا جانے کس کمالِ اُستادی سے تعلیم دی گئی ہے کہ اکثر آنے جانے والے جہاں دیگر اطراف میں پری پیکروں کے نورانی گلوں سے خیر مقدم کا ترانہ سنتے ہیں وہاں ان نغمہ سنج طائروں کا بینڈ بھی اپنے قدرتی ارغنوں سے یہی کلمہ خیر مقدم سناتا ہے کہ:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ

حسین نے نہایت حیرت و جوش سے دیکھا کہ ان ہی چمنوں میں جابجا نہروں کے کنارے سونے چاندی کے تخت بچھے ہیں۔ جن پر ریشمی پھول دار کپڑوں کا فرش ہے، لوگ پر تکلّف گاؤ تکیوں سے پیٹھ لگائے دل فریب اور ہوشربا کمسن لڑکوں کو پہلو میں لیے بیٹھے ہیں اور جنّت کی بے فکریوں سے لُطف اُٹھا رہے ہیں۔

خوب صورت آفتِ روزگار لڑکے کہیں تو سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور کہیں نہایت ہی نزاکت اور دلفریب حرکتوں سے ساقی گری کرتے ہیں شراب کے دور چل رہے ہیں۔ اور گزک کے لیے سدھائے یا قدرت کے سکھائے ہوئے طیور پھل دار درختوں سے میوہ توڑ توڑ کر لاتے ہیں اور ان کے سامنے رکھ کے اُڑ جاتے ہیں۔ پھل ہی نہیں یہ خوشنما طیور کپڑوں میں لپٹے ہوئے کبابوں کی پوٹلیاں بھی لاتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے میکشی و شاہد پرستی کا پورا سامان فراہم کر دیتے ہیں سب سے زیادہ جس چیز نے حسین کو متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ سب لوگ بے غل و غش نہایت بے فکری اور اطمینان سے ان لذّتوں کے مزے لوٹ رہے تھے اور خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ پاس سے کون گزرتا ہے اور انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔ نہ کسی کو کسی سے حسد تھا

اور نہ کسی کو کسی لُطف کے چھپانے کی ضرورت تھی۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

یہ عالم دیکھ کر حسین کے دل میں ایک جوش و ولولہ پیدا ہوا۔ اس نے کسی قدر بلند آواز سے کہا بے شک فردوس بریں یہی ہے۔ یہیں ہے۔ یہیں آ کے نیکوکاروں اور ایمانداروں کو اپنے اعمالِ نیک کا صلہ ملتا ہے مگر افسوس اے زمرّد تو کہاں؟ یہ جملہ ناتمام ہی تھا کہ پاس کے چمن کے پھولوں کے نیچے سے ایک شیریں و دلکش آواز سے کسی نے کہا "تو ابھی جنّت کے چمنوں ہی کو دیکھ رہا ہے۔ ذرا محلوں اور قصروں کو بھی نظر اٹھا کر دیکھ۔"

پہلو نے تو اس نے یہ آواز سُنی اور سامنے سے ایک نہایت ہی نازک اندام اور قیامت خرام نازنین نے آ کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور مسکرا کر کہا "میں بھی تیرے لیے ہوں۔" حسین ذرا جھک کر اس سے علیٰحدہ ہوا اور غور سے اس کی صورت دیکھ کر کہا "مگر میں پیاری زمرّد کے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔"

نازنین۔ وہ بھی مل جائے گی۔ آپ کی خوشی کا پیمانہ تنگ ہے۔ ذرا ان سروری مسرتوں سے نگاہ اور دل آشنا ہو لیں تب تو اس سے ملیے گا۔ دیکھیے وہ سامنے جو موتی کا قصر ہے وہ آپ ہی کے لیے ہے۔ اور زمرّد اسی میں ہے۔

حسین نے نظر اٹھا کر اس رفیع الشان قصر کو دیکھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی نظر دیگر عمارتوں پر بھی جا پڑی اور اسے نظر آیا کہ یہ عمارتیں باغوں سے بھی زیادہ مسرت انگیز ہیں بعض بالکل سونے کی۔ بعض مونگے کی اور بعض موتیوں کی نظر آتی ہیں۔ یہ تمام مکانات جو حسبِ حیثیت محل اور قصر اور کوشک کے لفظ سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں مذکورہ اشیاء کے علاوہ ان ہی میں کوئی فیروزے کا کوئی زمرّد کا کوئی یاقوت کا اور کوئی ہیرے کا ہے۔ موتی کے محل جن میں سے ایک خاص حسین کے لیے ہے ایسے آبدار رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کہ

نیچے سے اوپر تک ایک ہی موتی میں ترتسے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں جا بجا صدفِ صادق کے جھلکتے ہوئے ٹکڑے جڑے ہیں تمام محلوں پر علاوہ اس رنگ کے جس کی طرف وہ محل منسوب ہیں، ہر در و دیوار کے گرد بلور اور شیشے کے ٹکڑوں کا حاشیہ بنا ہوا ہے اور ان شیشوں کے نیچے ڈانٹ دی ہوئی ہے۔ یہ آئینے دن کو آفتاب کی ضو میں اور رات کو ہزارہا کافوری شمعوں کی روشنی میں اس قدر جگمگا اُٹھتے ہیں کہ تیز سے تیز نگاہ خیرہ ہونے لگتی ہے اس کے علاوہ ان دیواروں میں اندر باہر جواہرات جڑے ہیں جو اپنی کرنیں چمکا چمکا کر ایک عجیب لطف پیدا کرتے ہیں، بہر تقدیر اس مجموعی سامان سنہری روپہلے اور رنگ برنگ کے قصروں، ان کے آئینوں اور جواہرات نے ہر چہار طرف ایک ایسی نور کی کیفیت بنا رکھی ہے کہ نظر پڑتے ہی انسان کے دل میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حسین ان محلوں کو دیکھ کر ذرا دیر مبہوت کھڑا رہا۔ مگر ہوش کے آتے ہی اس خاص محل کی طرف بڑھا جس کی نسبت اس پری پیکر کی زبانی سنا تھا کہ خاص اس کے لیے ہے اور جس میں پیاری زمرّد کے ملنے کی امید تھی۔ اب اس کے جذبات دلی اس جوش و خروش سے زمرّد کی طرف متوجہ تھے کہ اس نے نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھائی نہ کسی سامانِ عشرت کو دیکھا اور سیدھا اس محل کے دروازے پر جا پہنچا، زمرّد بھی استقبال کے لیے محل سے باہر نکل آئی تھی اور ایک غیر معمولی مگر نہایت دلربا وضع سے بال کھولے اور زلفوں کو شانوں اور منہ پر بکھیرے کھڑی تھی۔ آنکھیں دوچار ہوئی تھیں کہ بے اختیاری کے جوش میں دونوں کی زبان سے ایک دوسرے کا نام نکلا اور دوڑ کر لپٹ گئے۔ حسین تو محوِ حیرت تھا ہی۔ زمرّد کے چہرے سے بھی ایک غیر معمولی جوش و مسرت نمایاں تھا۔ حسین فرطِ محبت سے بے اختیار ہو کے رونے لگا۔ اس کی سانس سے رونے کا پتہ پا کے زمرّد نے اپنے آپ کو علیحدہ کیا اور کہا: "حسین یہاں رونا حرام ہے پس اب آنسو پونچھ ڈالو۔"

حسین۔ (آنسوؤں کو پونچھ کر) زمرّد یہی فردوسِ بریں ہے؟

زمرّد ۔ یہی ۔

حسین ۔ تم یہاں چلی آئیں ۔ اور مجھے اس درد والم میں چھوڑ دیا ۔

زمرّد ۔ یہ تو میرے اختیار کی بات نہ تھی مجھے تو ایک اتفاقی شہادت نے یہاں پہنچایا ہے ۔ مگر تمھاری زندگی باقی تھی اور ضروری تھا کہ اتنے مدارج و مراحل طے کر کے یہاں آؤ ۔ مگر سچ کہتی ہوں کہ اس جنّت میں بھی تمہارے فراق نے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔ کیا کہوں کن دشواریوں سے مجھے اتنی اجازت ملی ہے کہ تمھیں اپنے پاس آنے کا راستہ اور طریقہ بتاؤں"

حسین ۔ میرے تو ایسے اعمال تھے کہ شاید مر کے بھی یہاں نہ پہنچ سکتا ، صرف تمھاری محبت تھی جو خضرِ طریقت بن کر لائی ۔

زمرّد ۔ تیری محبّت ۔

حسین ۔ ہاں تمہاری محبت ۔

زمرّد ۔ لیکن اگر تمھارے دل میں طلبِ صادق نہ ہوتی تو میں کیا کر سکتی تھی ۔

حسین ۔ مگر اس طلب سے یہ تھوڑا ہی ممکن تھا کہ اس ملاءِ اعلیٰ میں آ پہنچتا ۔ میں تو دل میں ٹھان چکا تھا کہ اس قبر کے پاس اور اس چٹان کے سامنے جس پر تمھارا پیارا نام کندہ ہے پڑے پڑے دم توڑ دوں گا ۔

زمرّد ۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی ۔ اب اندر چل کے آرام سے بیٹھو ۔ شرابِ طہور کے دو جام پیو اور دیکھو اس خداوندِ جل و علیٰ نے تمہارے لیے کیسے کیسے سامانِ راحت اور کیسی کیسی لذّتیں فراہم کر رکھی ہیں ۔ یہ کہہ کے زمرّد حسین کو اندر لے گئی ۔

جس وقت حسین نہر کے کنارے کشتی سے اترا ہے ۔ سرِ شام کا وقت تھا مگر اب رات ہو گئی تھی ۔ ہر طرف کافوری شمعیں روشن تھیں ۔ ایک خاص قسم کی ٹھنڈی روشنی جس کا پتہ نہ چلتا تھا کہ کہاں سے آتی ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے ۔ دروازوں اور بلند کھڑکیوں اور چھت کے روشن دانوں سے رہ رہ کے چمک اٹھتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ یکایک ہزارہا مہتابیاں

چھوڑ دی گئیں۔ اس تیز روشنی میں شمعیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اور پیاری ہم صحبتوں کا چہرہ ایک دوسرے کو پیارا اور دل فریب نظر آنے لگتا تھا۔ اس غیبی روشنی کو حسین نے حیرت سے دیکھا اور دریافت کیا کہ کیسی روشنی ہے۔ وہ بار بار دروازے سے جھانک کر باہر دیکھتا۔ مگر کچھ حال نہ کھلا صرف اتنا معلوم ہوا کہ اس روشنی کا مرکز و منبع گرد کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ہے۔ جہاں وہ زیادہ چمکتی ہے۔ اور وہیں سے اس کی کرنیں آ کے تمام مکانات کو روشن کر دیتی ہیں۔ ایک یہ بات اس نے دیکھی کہ جب روشنی پوری تیزی اور کمال پر آجاتی ہے تو چاروں طرف سے لوگ چلّا اٹھتے۔ علیٰ ھذا الذی وعدنی ربی" بلکہ سب کے ساتھ ایک بے اختیاری کے جوش میں یہی کلمہ..... خود حسین کی زبان سے بھی کئی مرتبہ نکل گیا۔ جب اس روشنی کا راز حسین سے حل نہ ہو سکا تو اس نے زمرّد سے پوچھا "یہ کیسی روشنی ہے؟"

زمرّد۔ تم نے نہیں پہچانا؟ یہی وہ نورِ الٰہی ہے جو موسیٰ کو وادیِ ایمن میں نظر آیا تھا۔ تم نے قرآن و حدیث میں پڑھا ہے کہ جنت میں خدا کا دیدار ہوگا اسی سے یہی نور عبارت ہے۔

حسین۔ تو یہی خداوندِ جل و علا ہے؟

زمرّد۔ یہ تو نہیں کہہ سکتی مگر ہاں اس کے تنوّعِ اولیٰ کی سب سے زیادہ مکمّل اور سچی تصویر یہی ہے۔

یہ جواب سن کر حسین اس نور کے سامنے سجدے میں گر پڑا مگر زمرّد نے اُٹھایا اور کہا۔ "یہاں عبادت کی تکلیف نہیں یہ نور صرف اس غرض سے ہے کہ لوگوں کے دل میں اطمینان و مسرت پیدا ہو۔"

اب حسین نے مکان کے فرش اور تمام سامان کو دیکھا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ سب نوری سامان ہے جو دنیا میں نہ کبھی انسان کے دل میں گزرا نہ ہے کسی کے

قیاس وگمان میں آسکتا ہے۔ زمرّد اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے یہاں کی تمام عجوبہ چیزیں اسے دکھاتی پھرتی تھی۔ اور حسین ہر چیز پر خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرت و رحمت کا جوش وخروش سے اعتراف کرتا اور آخر پھرتے پھرتے ایک مقام پر رک گئے، وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ زمرّد سے لپٹ گیا اور کہا "یہ سب لطف اور سارے سامانِ عیش ہیں مگر زمرّد میرے لیے کوئی تجھ سے بڑی نعمت نہیں ہو سکتی۔"

زمرّد۔ یہی محبت تمہیں یہاں لائی ہے ورنہ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی زندہ انسان کا بہت کم گزر ہوتا ہے۔ یہ تمہاری بڑی فضیلت ہے کہ اس جسم خاکی کے ساتھ اس نورستان میں آپہونچے۔

حسین کو جنّت میں پھرتے اور زمرّد کے حسن وجمال سے لطف اُٹھاتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور یہ ہفتہ اس حالت میں گزرا کہ دل کش اور نشاط انگیز نغموں کی آواز اکثر کانوں میں گونجتی رہتی اور بہت سی حوریں اس کی خدمت کو حاضر رہتیں۔ وہ سب پری جمال و زاہد فریب تھیں۔ مگر اسے زمرّد کے سوا کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ ہر وقت زمرّد کی بغل میں ہاتھ رہتا۔ اور دونوں ہمیشہ ان فرحت بخش وادیوں اور روح افزا مرغزاروں میں ٹہلتے رہتے۔ زمرّد نے اتنے زمانے میں پھر پھر کر اسے یہاں کی تمام نزہت گاہیں اور سب دل چسپ مکانات دکھا دیے۔ ایک مرتبہ حسین نے کہا "زمرّد میں تو سنتا تھا کہ جنت میں ہمیشہ صبح کا وقت ہے مگر آ کے دیکھا تو یہاں بھی دنیا ہی کے سے تغیرات موجود ہیں۔"

زمرّد۔ اس امر میں لوگوں کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے جو کہا جاتا ہے کہ ہر وقت صبح ہی رہتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی وقت کا لطف انسان یہاں اُٹھا سکتا ہی نہیں۔ ایسا ہو تو جنّت سے ایک بڑا لطف اُٹھ جائے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ یہاں ہر وقت کوئی ایسا مقام ضرور مل جائے گا۔ جہاں انسان جس وقت

کا چاہے لطف اُٹھائے۔

حسین ۔ کیونکر۔

زمرّد ۔ زبان سے کہنے کی بات نہیں۔ میں چل کر تمہیں آنکھوں سے دکھائے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اسے ساتھ لیے ہوئے زمرّد قصر دری سے باہر نکلی اور کہا دیکھو یہاں دوپہر کا سماں ہے۔ اب آگے چلو تھوڑی دیر کے بعد دونوں ایک ایسے درختوں سے گھرے ہوئے سبزہ زار میں پہونچے جہاں آفتاب کی روشنی کو درخت روکے ہوئے تھے ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور مشرقی قلعہ ہائے کوہ سے ایک ہلکی ہلکی روشنی نمودار تھی۔ زمرّد یہاں پہونچ کر بولی دیکھو یہ صبح کا وقت ہے۔

حسین ۔ بے شک ہے۔

زمرّد ۔ آگے چلو۔

یہاں سے روانہ ہو کے تھوڑی دیر میں دونوں ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں پہونچے جو ہر طرف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی یہاں بھی درختوں نے خفیف سی تاریکی پیدا کردی تھی۔ اور ذرا فاصلے کے مقامات پر ہلکا دھواں اٹھتا نظر آتا تھا کہیں کہیں چراغ جلنے لگے تھے طیور کے چہچہانے کا شور بلند تھا اور مغرب کے قلعہ پر آفتاب کے غروب ہونے کی بھی شعاعیں نظر آرہی تھیں زمرّد نے یہاں رُک کے کہا "اور یہ شام ہوئی"

حسین ۔ اس میں کسے شک ہو سکتا ہے۔

زمرّد ۔ دن کا سماں دیکھ چکے۔ اور شام بھی دیکھ لی۔ صرف رات کا وقت باقی ہے چلو وہ بھی دکھائے دیتی ہوں۔

یہاں سے واپس آکر زمرّد حسین کو لیے ہوئے ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہوئی جہاں نہایت خوبی سے ایک نشیبی راستہ بنا ہوا تھا زینے نہ تھے بلکہ زمین جو پختہ سطح اور رنگ برنگ کی تھی ساعت بساعت نیچی ہوتی جاتی تھی اس زمین دوز راستے میں جاتے جاتے

دونوں ایک نہایت عالیشان اور پرتکلف حصّہ میں پہنچے جس میں ہر جگہ کافوری شمعیں روشن تھیں، جھاڑ اور فانوس کثرت سے لٹک رہے تھے اور در و دیوار پر شیشے کے رنگ برنگ ٹکڑوں کو ان شمعوں کی شاخیں کچھ ایسی عجیب و غریب روشنی سے چمکا رہی تھیں کہ نظر خیرہ ہو جاتی تھی۔

زمرد۔ دیکھو یہ رات ہے اور کیسی پیاری رات۔

حسین۔ پیاری زمرّد اگر تو ساتھ ہو تو ہر چیز پیاری ہے۔

یہ سب سامان دیکھ کر دونوں اپنے قصر میں واپس آئے اور باہم عشق و محبت کی باتیں کرنے لگے مگر پہلے سے زمرّد اب کسی قدر افسردہ تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ گو وہ زبردستی کوشش کر کے چہرے کو بشاش بناتی ہے مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا ہے۔ حسین نے اس امر کو حیرت سے دیکھا اور کہا "زمرّد اس فردوسِ بریں میں بھی آج تم مجھے ملول نظر آتی ہو"

زمرّد۔ نہیں مگر ہاں گذشتہ مفارقت کسی کسی وقت یاد آجاتی ہے تو خواہ مخواہ دل بھر آتا ہے۔

حسین۔ مگر خدا نے وہ مصیبت کاٹ دی اور اب امید ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ یوں ہی ایک دوسرے کے وصل سے حظ اٹھاتے رہیں گے۔

زمرّد۔ خدا کرے ایسا ہو مگر حسین مجھے اس کی امید نہیں۔

حسین۔ (حیرت سے) اُمید نہیں۔ یہ جنّت ہے جس کے لطف سرمدی و ابدی ہیں یہاں نہ کسی دشمن کا اندیشہ ہو سکتا ہے نہ کسی حاسد کا حسد۔ پھر ناامیدی و حسرت نصیبی کا کیا سبب لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔

زمرّد۔ بے شک مگر حسین تم یہاں قبل از وقت آئے ہو اور ابدی و سرمدی لطف اُٹھانے کے لیے وہی لوگ آتے ہیں جو مرنے کے بعد دنیا سے قطع تعلق کر کے آئیں گے۔

تم نے ابھی اس مادی دنیا کے علائق قطع نہیں کیے اور اس مادّی جسم کو ساتھ لائے ہو جس کو وہیں دنیا میں چھوڑنے کے لیے تمھیں ایک روز اس عالم میں جانا ضرور ہے دیکھو حضرت مسیح یہاں زندہ آئے اور اب تک ہیں مگر اُنہیں کبھی کسی لطف میں پورا مزہ نہیں آتا۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ یہ قفسِ عنصری چھوڑنے کے لیے ایک مرتبہ دنیا میں پھر جانا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کثافت مادّہ اس نورستان میں نہیں رہ سکتی۔

حسین۔ افسوس! پھر کب جاؤں گا۔

زمرّد:۔ جب حکم ہو جائے مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلدی جانا پڑے گا اس لیے کہ وہاں کی کئی شدید ضرورتیں تمہیں بلا رہی ہیں۔ حسین یہ سن کر آبدیدہ ہو گیا اور نہایت جوشِ دل سے ایک آہ سرد بھر کر بولا ؎

"روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

مجھے تو ابھی تیرے وصال کا بھی لطف حاصل نہیں ہوا! مگر زمرّد مجھ سے تو اب نہ جایا جائے گا اس وقت سے میں ہر وقت تیرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہوں گا تاکہ کوئی مجھے تجھ سے جدا نہ کر دے۔"

یہ سن کر زمرّد بھی آبدیدہ ہو گئی۔ اور بولی"۔ حسین یہ امر تمھارے اختیار سے باہر ہے جب وقت آئے گا تمہیں خبر بھی نہ ہو گی اور ایک ادنیٰ غنودگی تمہیں عالم میں پہونچا دے گی۔"

حسین۔ (رو کر) پھر اب تو مجھ سے تمہارے فراق کی مصیبت نہ برداشت کی جائے گی، جاتے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا اور تم سے چھوٹے ایک گھڑی بھی نہ گزری ہو گی کہ پھر تمہارے پاس آ پہونچوں گا۔

زمرّد۔ کہیں ایسا غضب نہ کرنا خودکشی کر لی تو جنت تم پر حرام ہو جائے گی پھر تو قیامت تک بھی ملنے کی اُمید نہیں۔

حسین۔ (زور سے سینے پہ ہاتھ دھر کر) ہائے مجھ سے کیونکر زندہ رہا جائے گا۔ زمرّد خدا کے لیے کوئی تدبیر بتاؤ ورنہ سمجھ کو کہ ہمیشہ کے لیے مایوسی ہے اس لیے کہ اب دنیا میں جاکر زندہ نہیں رہ سکتا ہزار رو کو میرا خنجر میرے سینے پر اُٹھ ہی جائے گا۔ اچھا اگر یہ نہیں تو تم میرے ساتھ چلو۔

زمرّد۔ یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ حسین یہ نہ سمجھ کہ میں اپنے بس میں ہوں اتنا ہی لفظ زبان سے نکلا تھا کہ کانپنے لگی۔ اور اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے۔ مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو اطمینان سے آکر بیٹھ گئی اور بولی حسین اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں تمھارے واپس جانے کا وقت آگیا۔

حسین۔ (بے صبری سے چلّا کر) کیا ابھی سے! نہیں میں ابھی نہ جاؤں گا۔ یہ کہہ کر زمرّد کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر پکڑ لیا۔

زمرّد۔ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں جتنی زیادہ بے صبری دکھاؤ گے اتنی ہی زیادہ خرابی ہوگی۔ اس وقت تنہائی میں باتیں کرنے کا موقعہ مل گیا ہے غنیمت سمجھو اور جو کچھ کہتی ہوں سنو۔ کوئی آگیا تو یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا عمر بھر کفِ افسوس ملو گے ساری دنیا میں بھٹکتے پھرو گے اور مطلب نہ نکلے گا۔

حسین (اپنے آپ کو سنبھال کر) اچھا سنتا ہوں پیاری زمرّد تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ تو کام چلے گا۔ یہ جملہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ جی بھر آیا اور زار و قطار رونے لگا۔

زمرّد۔ (اپنے نازک ہاتھ سے اس کا منھ بند کر کے) کیا غضب کرتے ہو۔ خدا کے لیے سنبھلو دنیا میں جاکر جی بھر کر رو لینا مگر ابھی میری ایک بات ذرا ہوش و حواس درست کر کے سن لو۔

حسین۔ (نہ رکنے والے جوش کو روک کر) کہو پیاری زمرّد دل و جان سے سن رہا ہوں۔

زمرّد۔ یہاں سے جانے کے بعد پہلے تم کوشش کرنا کہ وہی لوگ جن کی مدد سے اس دفعہ یہاں آئے۔ انہیں لوگوں کی اطاعت کر کے انھیں خوش کر کے پھر یہاں آنے کا موقعہ پاؤ۔ اپنی حاجت روائی کے لیے تم ان کے کسی حکم سے انحراف نہ کرنا لیکن اگر وہ تمھیں یہاں دوبارہ بھیجنے کا وعدہ نہ کریں اور سب طرف سے مایوس ہو جاؤ تو پھر اسی وادی میں آکر ٹھہر جانا جہاں میری قبر ہے اور جہاں خط بھیج کر میں نے تمہیں یہاں آنے کی تدبیر بتلائی تھی۔

حسین۔ کوہ طالقان میں؟

زمرّد۔ ہاں ہاں وہیں۔ اگر تم ایک مہینہ تک وہاں ٹھہرو گے تو پھر میں کوئی تدبیر بتاؤں گی۔ دیکھو خبردار کسی کو خبر نہ ہو کہ میں نے وہاں بلایا ہے۔

حسین۔ مگر پیاری زمرّد وہ تدبیر اسی وقت نہ بتادو کہ یہاں سے جانے ہی اس پر عملدرآمد شروع کر دوں۔

زمرّد۔ افسوس تم نہیں سمجھ سکتے۔ بس تمہیں وہی کرنا چاہیے جو میں بتاتی ہوں وہ تدبیر اس وقت بتانے کی نہیں۔

حسین۔ دیکھوں اب کتنے دنوں ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

زمرّد۔ صبر کرو اور ضبط سے کام لو اور خبردار ایسی کمزوری اور بزدلی نہ دکھانا کہ خودکشی کا ارادہ کر لو۔

حسین۔ میں اسی سے ڈرتا ہوں، پیاری زمرّد تیرے عشق میں بعض وقت نہ میں اپنے ہوش میں ہوتا ہوں اور نہ نیک و بد سمجھتا ہوں یہ تیرے لیے ہی تھا کہ میں نے اپنے چچا اور..... شیخ وقت امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کر ڈالا۔

زمرّد۔ جانتی ہوں۔ مگر اس میں مجھے شریک نہ کرو (کچھ آہٹ پاکر) لیکن اب خاموش رہو۔

ناگہاں چھ سات حوریں نازو انداز سے قدم رکھتی ہوئی سامنے آئیں اور محبت کے لہجہ میں حسین سے کہنے لگیں "اب چل کر باہر کی سیر کیجیے۔ اور ان نورانی تختوں پر جلوہ افروز ہو جیے جو چمنوں کے درمیان میں ہیں اس وقت کی بہار دیکھنے کے قابل ہے۔ شرابِ طہور کے جاموں میں خاص مزہ ہے۔"

حسین۔ میں تو یہاں تنہا ہی اچھا ہوں۔

زمرّد۔ تو وہاں چلنے میں کیا مضائقہ ہے۔ چلو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔

حسین۔ خیر اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

چلو۔ اتنی دیر میں اور سب حوریں بھی آ گئیں اور زمرّد حسین کو ساتھ لیے قصرِ زمرّدی کے باہر نکلی۔ سب کے سب لالہ زار کے درمیان میں طلائی تختوں پر جا کر بیٹھے۔ تخت کے دونوں جانب دو حوض تھے اور بغیر کہے صرف واقعات سے یقین دلایا جاتا تھا کہ ایک حوضِ کوثر ہے اور دوسرا شرابِ طہور کا حوض ہے۔ سامنے چند حوریں بیٹھ کر عجیب دلربا اور وجد میں آنے والی دھن میں گانے لگیں۔ دو چار غلمان یعنی خوب صورت کم عمر لڑکے سونے کے جام و صراحی لا کر کھڑے ہو گئے اور نغمہ و سرود کے ساتھ دور بھی چلنے لگا۔ دو چار جاموں نے حسین پر از خود رفتگی کی کیفیت پیدا کر دی اور جب وہ اس عالمِ نور کو بے خودی کی نیم باز آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اسے نظر آیا کہ زمرّد ایک ہاتھ تو اس کے گلے میں ڈالے ہے اور دوسرے ہاتھ سے چھلکتا ہوا جام اس کے منہ سے لگا رہی ہے۔ حسین اس لطفِ صحبت کا دل ہی دل میں مزہ اٹھا کر جام کو پی گیا مگر پینے کے بعد معلوم ہوا کہ جیسے زمرّد کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو ٹپک رہے تھے۔ بے خودی کے جوش میں پیاری دلربا کی دلدہی کے لیے بڑھنے ہی کو تھا کہ مدہوش ہو کر گر پڑا۔ بس اس کے بعد اسے اپنے پرائے کی خبر نہ تھی۔

پانچواں باب

پھر وہی عالمِ عناصر

دیر کی آزار رساں غفلت و بے ہوشی کے بعد حسین ذرا ہوشیار ہونے لگا تھا کہ کان میں آواز آئی۔ "اے جسمِ خاکی اٹھ اور اس برزخ کبریٰ کا ہاتھ چوم جو تیرا امام ہے اور جس نے صرف تیرے لیے باوجود مجرّد محض ہونے کے صورت مادّی اختیار کر لی ہے۔" حسین نے بے ساختہ آنکھ کھول دی اور بجائے جنّت یا زمرّد کے پہلو کے اپنے آپ کو اس تاجدار شخص کے سامنے پایا جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی تھی۔ جو اس سفر جنّت کی آخری منزل پر ملا تھا۔ حسین آنکھیں ملتا ہوا ادب سے اٹھ بیٹھا اور اس کے قدموں پر گر کر سر رگڑ کر کہنے لگا۔

مکن بیدار ازیں خوابم خدارا

شخص۔ نہیں پھر تجھے عالمِ ارضی میں جانا ہے ہوشیار ہو جا کہ مشائخِ باطن سے ہرگز گریز نہ کرنا۔ میرا یہ ہاتھ جس میں نور کے سوا مادّے کا بہت کم جزو ہے۔ تیرے ہاتھ سے مل چکا ہے۔ اور ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کے وسیلے سے تیری اس ملاءِ اعلیٰ تک رسائی ہوئی۔

حسین ۔ مگر میں ابھی اور چند روز جنت میں رہنے کا آرزو مند ہوں ۔

شخص ۔ اس مادّی عالم کی زندگی میں ممکن نہیں کہ تو اس روحانی عشرت کدہ میں آسکے جا اور اس وقت کا منتظر رہ جب کہ کسی ذیلی کوشش میں امام و مرشد کے حکم سے تو جامِ فنا پیے گا ۔

حسین ۔ تو آپ میرے امام ہیں ۔ اور آپ ہی جام فنا پلا کر مجھے فردوس بریں میں پہونچا دیجے ۔

شخص ۔ ابھی ملاءِ اعلیٰ کی سرحد ہے اور یہاں فنا نہیں ۔ اتنے میں وہی پہلی پری وش نازنین لبریز جام ہاتھ میں لیے ہوئے آئی ۔ جس کے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا ۔ بس اب زیادہ حجت نہ کر اور یہ شرابِ طہور کا آخری جام پی ۔ یہ کہہ کر اس نے جام اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھایا ۔

حسین اب جانتا تھا کہ یہ شرابِ طہور دارد نے بے ہوشی کا اثر رکھتی ہے اور جس طرح اس کا نشہ پہلے عالمِ نور میں لے گیا تھا ۔ اب حضیضِ ظلمت میں لے جائے گا ۔ مگر مایوسی کی تکلیف نے پیاس اس قدر تیز کر دی تھی کہ انکار کی جرأت نہ ہوئی ۔ بے تکلف لے کر پی گیا ۔ تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول کر وہ مختلف سین دیکھنے لگا جو حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے کبھی دشت و در تھے اور کبھی پہاڑوں کی بلندی و پستی ۔ آخر ایک شب کو اس کی آنکھ شیخ الجبل کے سامنے کھلی ۔ اس پہلے نگہبان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا : "حسین تو پھر اس تیرہ خاکدانِ عنصری کے حدود میں آگیا اور ان آنکھوں سے جو انوارِ محضہ و مجرّدہ کو دیکھ چکی ہیں پھر نورِ سینا کو اسی طرح ستر حجابوں میں دیکھ رہا ہے ۔"

حسین (آبدیدہ ہو کر) مگر میں تو اس ظلمت خاکی میں نہیں آنا چاہتا تھا ۔

طورِ معنی ۔ بے شک نہ چاہتا ہوگا ۔ جذباتِ نور وحدت ایسے ہی کشش رکھتے ہیں مگر کیونکر ممکن تھا کہ اس جسمِ خاکی کا دھبہ اس نورستان میں ہمیشہ قائم رہتا ۔

حسین ۔ تو للہ کوشش کیجیے کہ اسی وقت اس جسم خاکی کو چھوڑ کر اس سروشبستان اعلیٰ کا راستہ لوں ۔

طور معنی ۔ ان امور میں شیخ علی وجودی ہی تمہارا اطمینان کر سکتے ہیں ان کے پاس جاؤ اور جو کہیں اس پر عمل کرو ۔

حسین ۔ (جوش دل سے نوحہ و بکا کر کے) افسوس میری اتنی ریاضت اور یہ مدتوں کی آرزو مندی صرف اتنے مختصر زمانے کے لیے تھی! آہ کیا کروں کہ پھر زمرد کا وصال نصیب ہو ۔ اس کے بعد حسین پھوٹ پھوٹ کر اور زار و قطار رونے لگا، اور یہاں تک رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں ۔

طور معنی ۔ اے بلند حوصلہ مشتِ غبار ۔ میرے عزلت کدے کو خالی کر اور صفحۂ ہستی پر جا کے اس میعادِ معینہ کو پورا کر جتنے دنوں کے لیے تو اس ظلمت کدہ ارض میں گرفتار ہے ۔

حسین ۔ کاش یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس مشتِ غبار کو کب تک اس عالم میں سرگرداں پھرنا اور خاک اڑانا ہے ۔

طور معنی ۔ تیرے ان رموز کا حل کرنا شیخ علی وجودی کا کام ہے اس لیے کہ وہی تیرے مرشد ہیں ۔ مگر ہاں تجھے ایک راز بتا سکتا ہوں وہ یہ کہ پھر اس عالمِ نور کی زیارت فقط اس امام کے اختیار میں ہے جس کے ہاتھ پر تو بیعت کر چکا ہے جو لاہوت و ناسوت میں برزخ ہیں اور وہ تجلی ہے جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوّت میں ظاہر ہوتی رہی ۔

حسین ۔ مگر ان تک رسائی کیونکر ہو سکتی ہے ۔ اور ملاءِ اعلیٰ سے پھر میں اس قعرِ ظلمت میں کیونکر پھینک دیا گیا ۔

طور معنی ۔ گو ان کا مرکز مقرر وہی نورستانِ اعلیٰ ہے مگر ایک گونہ تعلقاتِ مادّہ جن کی وجہ سے انھوں نے بہت سے جسد ہائے امامت بدلے انھیں اکثر اوقات اس

اخشجستان میں کھینچ لاتے ہیں مگر بغیر مرشد کے اس غرض میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اگر تو اصرار کرے گا تو تیرے مرشد شیخ علی وجودی تیری اس امر میں مدد کریں گے پس اب تو اس خلوت کدۂ نور کو خالی کر اور مرشد کی قدمبوسی کے لیے روانہ ہو ۔

اس تقریر نے امید کا ایک دھندلا چراغ پھر اس کے سینے میں روشن کیا جس کی روشنی میں وہ غار کے باہر نکلا۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب دیکھا کہ کاظم جنوبی غار کے دہانے پر اسی وضع اور حالت میں کھڑا ہے جس وضع و حالت میں وہ اسے چھوڑ گیا تھا۔ کاظم جنوبی اس کی صورت دیکھتے ہی بولا "اب تو تم کو اطمینان ہو گیا کہ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو ۔"

حسین ۔ اور آپ یہاں کب آئے ؟

کاظم جنوبی ۔ ابھی تمھارے ساتھ ہی آیا ہوں ۔

حسین ۔ "ابھی ۔

کاظم جنوبی ۔ ہاں ابھی ۔

حسین ۔ مجھے تم سے رخصت ہوئے کئی ہفتے گزر گئے ۔

کاظم جنوبی ۔ (ہنس کر) اس عالم اور اس عالم میں بڑا فرق ہے ۔ یہاں کا ایک دن وہاں کے ستر برس کے برابر ہے ۔

حسین ۔ وہ ایک گھڑی سہی مگر تم یہاں ٹھہرے کیوں رہے ؟

کاظم جنوبی ۔ امامِ قائم قیامت کا حکم یوں ہی تھا ۔

حسین ۔ امامِ قیامت کون ؟

کاظم جنوبی ۔ وہی جن کے ہاتھ پر اس عالم نور کے سفر میں تم نے بیعت کی ہو گی ۔

حسین ۔ مگر ان کے احکام تم تک کیونکر پہنچ گئے ؟

کاظم جنوبی ۔ ان ہی مرشد کے ذریعہ سے جو راہِ حقیقت طے کرنے کے لیے میرے ان کے درمیان واسطہ ہیں ۔

حسین ۔ تو شاید تمھارے مرشد یہاں آئے ہوں گے ؟

کاظم جنوبی ۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں ۔ وہ ایک توجہ سے اپنے خیالات میرے دل میں پیدا کر دیتے ہیں ۔

حسین ۔ افسوس میں جنت سے زبردستی کھینچ کر نکالا گیا ۔

کاظم جنوبی ۔ ان رموزِ ربّانی کی شکایت نہ کرو ۔ اور ان کے مصالح دریافت کرنا ہیں تو اپنے مرشد شیخ شریف علی وجودی کے پاس جاؤ مگر یہ یاد رکھنا کہ اب تم عالم نور کی سیر کر آئے ہو لہذا ان کو اسی روحانی لقب سے یاد کرنا جو اس سرد شبستان میں مشہور ہے ۔

حسین ۔ کیا ان کا کوئی اور بھی لقب ہے ؟ میں نے سنا نہیں ۔

کاظم جنوبی ۔ ہاں اس عناصر میں تو ان کا نام یہی ہے جو تم جانتے ہو ۔ مگر اس عالم نور میں وادی ایمن کہے جاتے ہیں ۔

حسین ۔ (تعجب سے) وادی ایمن (اور پھر سوچ کر) بے شک انھیں وادی ایمن ہی کہنا چاہیے ۔ انہی کے پہلو میں مجھے نور کی حقیقت کی پہلی شعاع نظر آئی ۔

کاظم جنوبی ۔ بس اب چلو ۔ اور طلب کا ارادہ کرو ۔

حسین ۔ مگر مجھے اتنا ضرور بتا دیجیے کہ اس عالمِ نور میں کبھی پھر بھی میرا گزر ہو سکے گا ؟

کاظم جنوبی ۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کر سکتا ۔ مگر ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر تمھارے مرشد کی توجہ ہو تو سب باتیں ممکن ہیں ۔

کاظم جنوبی نے اس جملہ سے حسین کے سینے میں امید کے چراغ کو ذرا اور

اکسادیا۔ آخر دونوں نے وحشتناک مسکن کو چھوڑا۔ اور شہر اصفہان میں آئے کاظم جنوبی نے اپنی مسجد کے دروازے پر پہونچتے ہی آواز لگائی "دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" جس کے بعد حسین نے اسے رخصت کیا اور شہر حلب کی راہ لی۔

اس سفر میں حسین ہر وقت جنّت اور اس کی حوروں کی ادھیڑ بن میں رہتا اگرچہ اس کا جسم اس دنیا میں تھا۔ لیکن اس کے خیالات اور اس کے اعتقاد میں اس کی روح علی الدوام اس دوسرے عالمِ نور کے مزے لیتی رہتی۔ وہ خیال میں کہتا اتنے انقلابات کے بعد اب مجھے تو یہ معلوم ہو گیا کہ موتوا قبل ان تموتوا کے کیا معنی ہیں یا اس دنیا میں رہنے سہنے کے ساتھ انسان اس عنصرستان سے قطعِ تعلق کر کے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ عالمِ ملکوت میں کیونکر صرف کرتا ہے۔ اب اس مرتبہ جبکہ وہ اصفہان سے حلب کو جا رہا تھا۔ اسے ایک بہت ہی نئی اور حیرت میں ڈالنے والی چیز نظر آئی، وہ جس گاؤں یا دشت و در میں سے گزرتا اکثر لوگ خود بخود اسے پہچان لیتے کہ جنت کی سیر کر آیا ہے اور پاس آ آ کے مبارک باد دیتے۔ وہ دل میں پریشان تھا کہ یہ کیا بات ہے اور کون سی علامت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو میری حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں سے اس راز کو دریافت بھی کیا مگر کسی نے کچھ نہ بتایا۔ لذّ مرّ داب اس کے دل و دماغ پر پہلے سے زیادہ حاوی تھی۔ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حالت میں اس کی دل فریب تصویر پیش نظر رہتی۔ کبھی اپنی طرف بلاتی تھی اور کبھی صبر و تحمل کی تاکید کرتی تھی یہی مزیدار اور پریشان کن خواب دیکھتا ہوا شہر حلب میں پہونچا اور شیخ علی وجودی کے سامنے جاتے ہی ان کے قدموں پر گرا۔ شیخ نے اٹھا کر پیشانی چومی اور پیٹھ ٹھونک کر اپنے برابر بٹھایا اور کہا کہ اے حسین تو لاہوت اکبر کی سیر کر آیا۔

حسین۔ یا شیخ اس عالمِ نور کی میں نے پوری کیفیت دیکھ لی اور اے وادیٔ ایمن! تیرے پہلو میں مجھے وہ جلوہ نظر آ گیا جس کے اشتیاق کے سوال پر موسیٰ

کو بھی لن ترانی کا جواب ملا تھا مگر کیا کہوں کہ میں نے کن حسرتوں سے اس خطۂ نور کو چھوڑا ہے۔

شیخ ۔ اے تیرہ وتار مشتِ غبار بتا تو نے وہاں کیا دیکھا؟۔

حسین ۔ ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی ۔

شیخ ۔ جذبات نور ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ زمرد سے ملا تھا؟ ۔

حسین ۔ (شیخ کے قدم چوم کر) ملا تھا مگر ابھی سیری نہیں ہوئی ۔ آہ جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی ۔

شیخ ۔ مگر تیرا یہ جسمِ خاکی اس نورستان میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا تھا اگرچہ تو کہتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ اس عالمِ نور کی آنکھوں سے دیکھ لیا ۔ مگر اے حسین میں کہتا ہوں کہ تو نے نہیں دیکھا ۔

حسین ۔ نہیں اے شیخ ـــــ وادیِ ایمن میں نے دیکھا اور اپنی خیال کی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہا ہوں ۔

حسین کا یہ جواب سنتے ہی شیخ کو جلال آ گیا منھ میں کف بھر آیا ۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ایک دفعہ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ حسین مارے خوف کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا ۔ اور انھوں نے کہنا شروع کیا: اے متکبّر و مغرور مشتِ خاک! تیری کیا مجال کہ اس نورِ لم یزلی کو ان ذلیل آنکھوں سے دیکھ سکے تو ان مادّی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جن انوارِ ازلیہ کی اشعّۂ لامعہ آدھی ضو کے ساتھ بھی نہیں چمک سکتیں تیرے جسم کے سامنے وہ نور غیر متجسّد بن کر نمایاں ہوا تھا ۔ اس کی اصلی کیفیات کو تیری یہ آنکھیں کسی طرح معلوم نہیں کر سکتی تھیں مگر ہاں تو ان انوار کو دیکھے گا اور ان کی اصلی حالت و کیفیت میں دیکھے گا مگر کب؟ اس جسم خاکی کو چھوڑ کر اور مجرد محض بن کر جب اس خطۂ نور میں جائے گا اس وقت تجھے یہ بھی نظر آ جائے گا کہ اسی نورِ ازل کا چراغ تو بھی ہے ۔

حسین۔ (کانپتی ہوئی آواز سے) مگر میں تو ابھی وہاں سے آنا نہیں چاہتا تھا۔

شیخ۔ بے شک نہ چاہتا ہوگا مگر یہ ممکن نہ تھا۔ نور کثافتِ مادّہ کا متحمل نہ ہو سکتا۔

حسین۔ لیکن اے شیخ آپ وادیِ ایمن ہیں اگر آپ چاہیں تو پھر اس عالمِ نور میں جا سکتا ہوں آہ! زمرّد کے لیے بہت پریشان ہوں۔

شیخ (پھر طیش میں آکر) اگر ہوس است ہمیں قدر بس است۔ اس سرو شبستا کو بے دیکھے قبول کرنے کی اس سے زحمت نہیں دی جا سکتی۔ آگ میں کسی مادّی چیز ڈالوں وہ تو اپنا تصرف کرنے کے بعد باقی ماندہ کثافت کو الگ پھینک دیتی ہے اسی طر نورستان نے تیرے جسم کو اپنے خیر سے نکال کر پھینک دیا ہے۔

حسین۔ تو پھر آپ ہی اپنے ہاتھ سے مجھے اس جسمِ خاکی کی قید سے آزاد کیجیے تجرد اختیار کر کے جاؤں اور پیاری زمرّد کو اپنے آغوش میں لے لوں کیا عجب کہ اس د تک وہ میرے شوق میں اپنا آغوش پھیلائے ہوئے ہو۔

شیخ۔ اب وہاں تک تیری رسائی امام قائم قیامت کی دست گیری سے ہو سکتی ہے۔

حسین۔ گو میں اس برزخ کبریٰ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں مگر اس درگا میں میری رسائی اسی وقت ہوگی۔ جب آپ میری مدد کریں۔ آپ کی دست گیری سر پر مقدم ہے۔

شیخ۔ اچھا مایوس نہ ہو۔ مجھے تیرا ایک دفعہ اور امتحان لینا ہے۔ اگر تو اس امتحان میں پورا اترا۔ میں تجھے اس دربارِ امامت میں سفارش کے ساتھ پہنچا دوں گا

حسین۔ جلدی فرمائیے جو حکم ہو اس کے بجا لانے کو تیار ہوں موت کا سب زیادہ آرزومند ہوں۔ اگر اس امتحان ہی میں مجھے موت نصیب ہو گئی تو اس سے زبا

میری کیا خوش قسمتی ہے۔

شیخ ۔ اسی وقت شہر دمشق کی راہ لے اور جس طرح بنے امام نصر بن احمد کو جو ہم باطنین کے خلاف وعظ کہا کرتے ہیں قتل کر کے واپس ہو۔

حسین ۔ ابھی چلا۔ مگر مجھے اتنا اور بتا دیجیے کہ کیا ہم ہی وہ باطنین ہیں جن کو کبھی لوگ قرامطہ کے اور کبھی ملاحدہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیخ ۔ بے شک ہم اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کے مدعی ہیں، اور چونکہ امامت ظاہر ہوگئی لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اس کی تبلیغ و نقابت خفیہ اور باطنی طریقوں سے کریں، انوارِ ازل نے یہ قدیم ہی سے فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تک امامت ظاہر رہتی ہے نقابت و تبلیغ خفیہ ہوتی ہے۔ اور جب امامت مخفی و باطنی ہو جاتی ہے۔ تو نقابت و تبلیغ علانیہ ہونے لگتی ہے۔

حسین ۔ مگر اس کا سبب میری ناقص فہم سے بالاتر ہے۔

شیخ ۔ بے شک بالا ہے (زور سے گھور کر) اور تیرے جاہلانہ شکوک اور زیادہ بالا کرتے جاتے ہیں۔ خود خدا کی طرف خیال لے جا کر دیکھ وہ مخفی ہے اور اسی لیے اس کی توجہ کی تبلیغ علانیہ ہوتی ہے۔

حسین ۔ یا وادیٔ ایمن! نبوت تو ظاہر رہی اور اس کے ظہور کے زمانہ میں برابر علانیہ تبلیغ ہوتی تھی۔

شیخ علی وجودی کے منہ میں کف بھر آیا اور سخت برہمی کے لہجہ میں وہ چلائے ۔ "ابھی تک شیطان تیرے دل میں بیٹھا ہے وہ تجھے بہکا رہا ہے اور تو عالمِ نور میں جانے کی آرزو رکھتا ہے۔ سن اس نظام کا تعلق صرف امامت سے ہے نبوت ہمیشہ ظاہر رہی اور ظہور کے زمانہ میں علانیہ تبلیغ ہوتی رہی مگر نبوت اور رسالت کس چیز کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے خدا کی طرف اور فردوسِ بریں کی طرف اور یہ دونوں دنیا کی طرف سے مخفی ہیں۔"

حسین ۔(ڈرتے ڈرتے) مگر امامت بھی تو انہی چیزوں کی طرف بلاتی ہے ۔

اب شیخ کو غصّہ نے آپے سے باہر کر دیا تھا۔ ایک دفعہ چمک کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا تو عالمِ نور کی سیر کرنے پر بھی جاہل اور شکّی ہے عہد نبوت میں جنت اور وہ نورالانوار اس قدر نمایاں نہ تھے جتنے کہ اب عہد امامت میں ہیں رسالت نے کبھی کسی مادّی پیکر کو اس سروشبستاں میں نہیں بھیجا اور امامت برابر بھیج رہی ہے جس کا یہ قطعی نتیجہ ہے کہ فردوسِ بریں اور وہ نورازلی پہلے مخفی تھے اور اب نمایاں ہیں۔ اور چونکہ اب نمایاں ہیں لہذا تبلیغ اور نقابت کو خفیہ طریقوں سے ہی اپنا عمل کرنا چاہیے ۔"

حسین ۔ یادادیٔ ایمن ! اب مجھے اطمینان ہو گیا۔ اور ضرور تھا کہ اپنے شکوک رفع کرتا اس لیے کہ میں نے اس مذہب کی نسبت بہت سی بے سروپا باتیں سُنی تھیں اور سنا تھا کہ التمونت کے حلقہ میں لوگ طرح طرح کے فریبوں سے اس مذہب کے پابند بنائے جاتے ہیں ۔

شیخ ۔ یہ دشمنوں اور جہلا کی افترا پردازیاں ہیں ۔ ایسے لوگ جن کو چشمِ بصیرت نہیں اور ان انوارِ ازلیہ کے سامنے خفاش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے ۔ ان کے کہنے کا کیا اعتبار اتنے مدارج یقین طے کر کے تجھے نظر آ گیا ہوگا کہ ہم کس ملاء اعلیٰ پر ہیں اور کس آسانی سے سروشبستان کی سیر کراتے ہیں ۔ اور وہ کس قعرِ جہالت میں پڑے ہیں اور کس طرح تحت الثریٰ کی طرف روز بروز زیادہ دھنستے چلے جاتے ہیں ۔

حسین ۔ مجھے معلوم ہے ۔ کہہ کر حسین شیخ سے رخصت ہوا اور امام نصر بن احمد کی جان لینے کے لیے دمشق کی راہ لی ۔

حسین اب ایسے کاموں کے لیے زیادہ جری تھا۔ پہلے موقعہ پر جو شبہات اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے اب نام کو بھی نہ تھے ۔ اس کو یقین تھا کہ جنت یقیناً ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کا وہ معتقد ہے اور ان کے اشارے پر بُرے بھلے کام کا کرنا ہی

ذریعہ نجات ہے۔ باوجود اس کے ایک جلیل القدر عالم کے قتل میں اس کے دل نے کسی قدر پس وپیش ضرور کیا۔ مگر شیخ اور زمرّد کے خیال نے پھر اس کا دل آگے بڑھایا۔ وہ نہایت سنگدلی کے ساتھ مرشد کے وحشیانہ حکم کی تعمیل کے لیے دمشق پہونچا اور امام نصر کے عقیدت کیشوں میں شامل ہوگیا۔

اس سفر میں بھی وہ حیرت سے دیکھتا تھا کہ بعض لوگ راہ چلتے چلتے پہچان کر اس سے بغلگیر ہوتے اور یکجہتی واخوت کا ثبوت دیتے جس سے اسے یہ بھی نظر آجاتا تھا کہ اس کے ہم عقیدہ وہم خیال کس کثرت سے دنیا پھیلے ہوئے ہیں۔ خوش نصیبی یا دل کی بے صبری سے مہینے ہی بھر میں اسے اپنی غرض حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا ایک پچھلی رات جبکہ امام نصر پڑوس کی مسجد میں اور سب سے چھپانے کے لیے اندھیرے میں تن تنہا کھڑے نمازِ تہجد ادا کر رہے تھے۔ حسین کا خنجر ان کے دل میں اتر گیا حسین نے ایک ہاتھ سے ان کا منہ بند کرلیا تھا۔ اور قتل کر کے گراتے ہی ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور انھیں نیچے دبا کر بیٹھ گیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ نہ ان کی آواز نکلنے پائی اور نہ تڑپنے پائے۔ جب لاش بالکل ٹھنڈی ہوگئی تو وہ پچھلی رات کے سناٹے ہی میں مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ راستے میں ایک نہر کے کنارے بیٹھ کر اپنے کپڑے دھو کر حلب کو روانہ ہوا۔

شیخ علی وجودی نے اس کی کارگزاری کی داد دی۔ اور اس کی پیٹھ ٹھونک کر کہا کہ حسین تو مراحلِ یقین کو بہت جلد طے کر رہا ہے کہ اپنے اغراض میں کامیاب ہو۔

حسین۔ یا وادی ایمن! مجھے ایک امر پر بڑی حیرت ہے۔ میں جہاں جاتا ہوں اور جس جگہ جاتا ہوں میرے ہم خیال وہم عقیدہ صورت دیکھتے ہی مجھے پہچان لیتے ہیں اور میں ان کو نہیں پہچان سکتا۔

یہ سنتے ہی شیخ نے ایک صندوق سے ایک آئینہ نکالا اور دکھا کر کہا کہ اپنی صورت دیکھ تجھے اپنے چہرے پر کوئی چیز نظر آتی ہے۔

حسین ۔ ہاں پیشانی پر داغ ہے معلوم نہیں کیسا داغ ہے شاید بچپن میں کبھی کہیں گر پڑا ہوں گا۔

شیخ ۔ (مسکرا کر) نہیں یہ حور کے بوسے کا نشان ہے یہی ایک چیز ہے جو ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ انسان اپنے قفسِ عنصری کے ساتھ فردوسِ بریں کی سیر کر آیا ہے۔

حسین ۔ تو جن لوگوں نے مجھے پہچانا غالباً ان کی پیشانیوں پر بھی یہ حور کے بوسے کا نشان موجود ہوگا ؟

شیخ ۔ بے شک ہوگا۔ اور حسین دیکھ میری پیشانی پر بھی موجود ہے ۔

حسین (شیخ کی پیشانی پر بھی وہی اپنا سا داغ دیکھ کے) بے شک یہ مدارجِ یقین طے کرنے کا تمغہ ہے ۔

شیخ ۔ حسین یہ بہت بڑی چیز ہے ۔ مرنے کے بعد سب مومنین جنّت میں جائیں گے مگر جو لوگ دنیاوی زندگی میں اس مرکزِ نور کی سیر کر چکے ہیں ان کا یہ فخر وہاں بھی موجود رہے گا۔ یہ داغ وہاں پیشانیوں پر نور کی طرح چمکے گا۔ اور عام ناجیوں میں ہم لوگوں کو ممتاز ثابت کرے گا۔

حسین۔ مگر مجھے یہ داغ دنیا ہی میں عزیز ہے کاش میرے لب میری پیشانی تک پہنچ سکتے کہ میں اس داغ کو بوسے دے کر اپنے دل کی تسلی کرتا میری پیشانی پر سوائے زمرّد کے کسی اور کے بوسے کا نشان نہیں ہو سکتا اگر میرے بوسے لیے ہیں تو صرف اسی کے لب لعلین نے ؎

بوسم منِ بے برگ ونوا برگِ حنارا تا بوسہ بہ پیغام دہم آں کفِ پارا

مگر افسوس جس طرح زمرّد میرے دل میں ہے اور ہاتھ نہیں آ سکتی ۔ اسی طرح اس کے بوسے کا نشان ہر وقت میرے پاس ہے اور مجال نہیں کہ اپنے مشتاق ہونٹوں کو

وہاں تک پہنچا سکوں۔

شیخ۔ اب ان شاعرانہ خیالات کو دور کرو اور امامِ قیامت کی قدمبوسی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حسین ؓ لبیک! مگر! وادی ایمن! اتنا اور بتا دیجیے کہ ان کو امام قائم قیامت کیوں کہتے ہیں؟۔

شیخ۔ یہ بھی رموزِ ربانی میں سے ایک رمز ہے۔ تجھے شاید ابھی تک ان آئمہ کے نام بھی نہ معلوم ہونگے جو نورِ لم یزلی کی شعاعیں ہیں۔ اور مختلف اوقات میں مختلف جسدوں سے نمایاں ہوتے رہے ہیں۔ یہی آئمہ ہمیشہ ناسوت اکبر ہوتے رہے ہیں وہی نور جو آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان عیسیٰ اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے اجساد مطہرہ سے ضوفگن ہوتا رہا تھا۔ آخر علی مرتضیٰ کے جسد انور میں نمودار ہوا۔ اور چونکہ اب نبوت ختم ہو چکی تھی لہذا اس ایک روح نے مختلف اجساد بدلنے شروع کیے پھر حسین اور علی زین العابدین و محمد باقر علیہ السلام کے اجساد کی سیر کرتے کرتے وہ نور جناب جعفر صادق کے جسدِ انور سے نمایاں ہوا۔ اور وہ زندہ ہی تھے کہ ان کے پیکرِ جسدی کو چھوڑ کر پہلے جناب اسمٰعیل میں پھر محمد مکتوم ابن اسمٰعیل میں آیا چند روز تک وہ نور سلسلہ وار امام منصور بن محمد مکتوم جعفر مصدق اور حبیب بن جعفر کے اجساد مطہرہ میں خفیہ خفیہ لمعہ فگن رہا جناب اسمٰعیل سے اس وقت تک امامت مخفی رہی۔

اب یکایک اس نور نے عبید اللہ مہدی کی ذات سے نمایاں ہو کر اپنی پوری تنویر دکھادی۔ اور امامت ظاہر ہوگئی۔ اس کے بعد سے وہ نور برابر علانیہ طور پر مختلف اجساد ظاہرہ کو بدلتا رہا۔ قائم بامر اللہ کے جسم سے پھر منصور کے پھر معز الدین اللہ کے پھر عزیز باللہ کے پھر حاکم بامر اللہ کے پھر ظاہر لاعز از دین اللہ کے پھر المستنصر باللہ کے جسم سے چمکا مستنصر باللہ کے بعد پھر حسن بن علی علیہ السلام کے جسموں نے ہیئت کبریٰ کا درجہ

پایا۔ اور فی الحال وہی انوارِ ازلی رکن الدین خورشاہ کے جمالِ جہاں آرا سے نمودار ہیں، جو فرمانروائے الموت ہیں وہی امام قائم قیامت البرزخ ہیں۔ اور لاہوت والناسوت وہ تجلی ہیں جو مختلف جسدہائے امامت ونبوت سے لمعہ افگن رہی تھی۔

حسین۔ (حیرت سے) وہی جن کے ہاتھ پر میں نے اس عالمِ لاہوت میں بیعت کی تھی۔

شیخ۔ وہی۔

حسین۔ مگر آپ تو فرماتے ہیں کہ وہ الموت کے فرمانروا ہیں؟

شیخ۔ بے شک ہیں مگر یہ علائق دنیوی ان کے تجرّد اور ان کی اس نورانیت کو جو عالمِ سروشس میں لے جاتی ہے، دھندلا نہیں کر سکتے۔ امام دینی اور عام لوگوں میں یہی فرق ہے کہ جس چیز کو ہم محنت وریاضت سے حاصل نہیں کر سکتے وہ انھیں قدرتاً بدرجہ اتم حاصل رہتی ہے اسی لحاظ سے وہ عاملین برزخ کہے جاتے ہیں۔

حسین۔ اور وہ امام قائم قیامت کیوں کہلاتے ہیں؟

شیخ۔ (کسی قدر برہم ہوتے ہوئے رک کر) ہاں میں نے اس کا راز ابھی نہیں بتایا، امامینِ مستنصر و نزار کے عہد میں ان میں انوارِ ازلی کی ایک نئی اور غیر معمولی شمع روشن ہوئی تھی۔ گو یہ شمع دراصل نئی اور قدیم نورِ امامت کا انعکاس تھی مگر اتنا بڑا انعکاس کامل کہ اس جلوہ سے تمام ممالکِ ارض چمک اُٹھے۔ اس سے وہ چراغِ نور مراد ہے کہ حسن بن صباح کے جسم صافی میں چمکا تھا۔ یہ لقب قائم قیامت اسی آئینہ پرتو نورایزدی کا ہے۔

جس نے یکایک حدودِ مدارجِ اعلیٰ اور نورستان میں پہونچ جانے کے اتنے صحیح ذریعے مخلوق میں پیدا کر دیے کہ ادنیٰ لوگوں کو وہ کمال حاصل ہو گیا جو گذشتہ عہدوں میں انبیا اور آئمہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھا۔ پہلے کوئی فردوسِ بریں میں جانے کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا مگر اب اس اعلیٰ پرتوِ ایزدی کے ظہور کے بعد یہ حالت ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے ایک دم میں اس عالمِ نور کی سیر کر آتا ہوں اور تم میں سے صدہا مومنین بھی اس سروشستان

میں جاکر حوروں کی ہمکناری کا مزہ اٹھا آئے ہیں۔ قیامت کے معنی ظاہر پرستوں میں اس وقت کے ہیں جب کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ قیامت صرف اس حالت یا اس وقت کا نام ہے جبکہ مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے قربت حاصل ہو جائے۔ حسن بن صباح نے چونکہ اپنے عہد سے مخلوق کو ایسے تقرب کے درجہ پر پہنچا دیا لہذا وہ امام قائم قیامت کہلاتے ہیں یعنی وہ امامت جس کی بدولت مخلوق و خالق میں قربت ہوگئی اور اسی قربت کا نتیجہ ہے کہ ان کے چند ہی روز بعد امام علی ذکرۃ السلام میں وہ امامت قدیمہ جو جناب علی مرتضیٰ سے نسلاً چلی آتی تھی اور نیز وہ امامت جس کا چراغ پہلے پہل حسن بن صباح کے ضمیر میں روشن ہوا تھا۔

دونوں[1] امامتیں جمع ہوگئیں اور یکایک انوارِ لم یزلی ہیجان میں آگئے۔ بس اسی دن سے تمام تکلفاتِ شرعیہ بندوں پر سے اٹھا دی گئیں رمضان کی ۲۷ کو کیا قربت و نور و پرتو کا جلوہ نظر آیا تھا یعنی مومنین شرعی ان قیدوں سے آزاد ہوئے تھے۔ اسی سبب سے وہ دن ہمارے لیے عید ہے اور اس کی یاد میں یہ وظیفہ ہر وقت اور ہمیشہ ہماری زبان پر رہتا ہے ؎

برداشت غل شرح بتائید ایزدی
مخدومِ روزگار علی ذکرۃ السلام

---

[1] دونوں امامتیں اس طرح جمع ہوئیں کہ امام قائم قیامت کی امامت تو حسن بن صباح کی جانشینی سے ملی اور دوسری امامت قدیمہ اس طریقہ سے کہ علی ذکرۃ السلام نے بڑی تاویلوں اور توجیہات سے دعویٰ کیا تھا کہ میں اس کا بیٹا نہیں جس کی طرف منسوب ہوں بلکہ دراصل میں نزار بن مستنصر فاطمی کے ایک بیٹے سے ہوں جو قلعہ التمونت میں چھپا تھا۔ اس طرح اپنا سلسلۂ نسب بنی فاطمہ سے ملا کے اس نے خود سید ہونے اور امامت موروثی کے پانے کا دعویٰ کیا تھا۔

حسین ۔ (متحیر ہو کر) مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ شب و روز ریاضت ہی میں مشغول رہتے ہیں اور آپ ہی کی طرح اس فرقۂ ناجیہ کے جتنے پیر دمجھے ملے سب پابند شرع بڑے محتاط اور بڑے متقی و پرہیز گار نظر آئے ۔

شیخ ۔ جو لوگ عرفان و حقیقت کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کو بے شک عبادت و ریاضت کرنا پڑتی ہیں ۔ مگر مومنین پر فرض اب کوئی عبادت نہیں خاصۃً اُن برگزیدگانِ لم یزلی کے لیے جو امام قائم قیامت سے تقرب رکھتے ہوں ۔

حسین ۔ مگر یا دادی امین ۔ میرا دل آپ کی توجہ کا محتاج ہے ۔ تکلیفاتِ شرعیہ کا اٹھا دینا ایک ایسی چیز ہے جس سے میرے دل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں ۔

شیخ ۔ (برہمی کے ساتھ) اتنے مدارج طے کرنے پر بھی شک ! سرد شبستاں اور عالمِ نور کی سیر کر چکنے کے بعد بھی شک ! اب یہ شک نہیں گستاخی ہے ۔ جانتا ہے کہ ساری عبادتیں خداوند جل و علا کی قربت حاصل کرنے کے لیے ہیں اور جب وہ قربت حاصل ہو جائے تو پھر کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی تم نے سنا ہے اور دیکھ بھی لیا ہو گا کہ جنت میں کوئی شخص عبادت کا مکلف نہیں ۔ اس کا یہی منشا رہے کہ اس تقربِ انوارِ لم یزلی کے لیے عبادت کرتے ہیں اور وہ وہاں ہر ایک کو یونہی حاصل ہوتا ہے ۔

حسین ۔ بے شک وہ منزلِ مقصود ہے اور عبادت اس کا راستہ ۔ جنت میں پہنچ جانے کے بعد فی الحقیقت کسی عبادت کی ضرورت نہیں ۔ لیکن جو لوگ ابھی اس کے باہر ہیں ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ منزلِ مقصود کو پہنچ گئے ۔ یا وہ چل رہے ہیں یا راستے میں ہیں لہذا ان کو عبادت کرنے کی ضرورت بھی ہے ۔

شیخ ۔ (انتہا سے زیادہ از خود رفتہ ہو کر اور منہ میں کف بھر لا کے) اس پیکرِ خاکی کو شبہات ہی نے خراب کیا ۔ یہ برابر شک کرتا ہے اور اپنے شکوک میں بڑا ضدی ہے ۔ سُن اے حسین ! امام قائمِ قیامت نے جو اپنے آپ کو بتایا کہ وہ اس عالمِ نور میں ہیں اور جزو عنصری

سے باہر۔ اس کے یہی معنی تھے گو بظاہر ان کا جسد اس عالمِ مادّی میں نظر آتا ہے مگر دراصل وہ ان مادیات سے دور سرِ شبستانِ علیٰ میں ہیں ان سے ملنے اور ان کے جوار میں رہنے کے یہی معنی ہیں کہ گویا انسان اس تیرہ ظلمت کدۂ ارض سے نکل کر لاہوتِ اکبر کے قریب جا پہنچا پھر وہاں پہنچ جانے کے بعد عبادت کیسی۔

حسین۔ بجا ہے۔ میرا شبہہ دور ہو گیا۔ آپ کی تقریر سے ہمیشہ دل کے شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ اور اسی اطمینان کے حاصل کرنے کے لیے میں اپنے شبہوں کو بلا تامل آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔

شیخ۔ خیر تم اس امتحان میں بھی پورے اترے ہو اب تم کو امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ جاؤ اور ان کے احکام کی بلا عذر اطاعت کرو۔ آج صفر کی ۲۰ رہے رمضان کی ۱۷ کو عیدِ قائم قیامت ہوگی۔ اس تاریخ کو میں بھی وہاں آؤں گا اور شیخ طور بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اگر اتنے دنوں میں تو نے امام قائم قیامت پر عقیدت کیشی و اطاعت کا پورا اثر ڈال دیا تو میں بھی تمہاری سفارش کروں گا اور طورِ معنی بھی کریں گے اور اسی وقت تم کو زمرد سے ملنے میں کامیابی حاصل ہوگی مگر خیال رکھو کہ اس اعلیٰ دربار میں انسان کے سر سے بہت سے تکلفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں۔ وہاں کی اطاعت و عبادت صرف انقیاد ہے اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر اس کا علاج نہ میرے پاس ہے نہ کسی اور شخص کے پاس۔ اس درگاہ کا راندہ مردودِ ازلی اور رحمت الٰہی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہے۔

حسین۔ میں کسی حکم سے سرتابی نہ کرونگا۔

شیخ۔ وہ ایسا مقام ہی نہیں جہاں تم اپنے دل کے شکوک کو اسی بے تکلفی سے ظاہر کرو جس طرح میرے سامنے کرتے ہو۔

حسین۔ کبھی کسی امر میں شک نہ کروں گا۔

شیخ۔ اگر اتنے مضبوط ہو تو کل صبح تم یہاں سے روانہ ہو کر التمونت کی راہ لو۔ میں ایک خط دوں گا۔ اسے لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہونا۔ اور جب تک وہاں سے یا مجھ سے کوئی حکم نہ ملے اس دربار کو نہ چھوڑنا۔

حسین۔ ہرگز نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے شیخ کے قدم چوم لیے۔

دوسرے دن علی الصباح وہ شیخ علی وجودی سے خطِ سفارشی لے کر رخصت ہوا اور مشرق کی راہ لی۔ چند روز میں بغداد اصفہان ہوتا ہوا علاقۂ رودبار میں پہنچا۔ اس سرزمیں وہ اپنے ہم مذہبوں کو حوروں کے بوسوں کے نشان سے بے کچھ کہے سُنے پہچان لیا کرتا تھا۔ جو ہر شہر و قریہ میں ملتے اور اس کے ساتھ نہایت ہی خلوص عقیدت سے پیش آتے تھے۔ دیلم کے ایک گاؤں میں ایک باطنی شخص جو اپنی پیشانی کے نشان سے بتا رہا تھا کہ وہ بھی جنت الفردوس کی ہوا کھا آیا ہے حسین کو نہایت ہی خلوص و پاک دلی سے اپنے گھر لے گیا اور کئی دن تک مہمان رکھا۔

اس شخص کے گھر پر ایک صحبت میں کئی ایسے باطنی جمع ہوئے جن کو اسی دو سال کے اندر جنّت کی ہوا کھلائی گئی تھی۔ لوگوں نے صحبت کو اغیار سے خالی اور اپنے ہم عقیدہ ہم خیال لوگوں ہی پر محدود دیکھ کر باہم جنّت کا تذکرہ شروع کیا۔ اثنائے کلام میں ایک شخص بولا "مگر مجھے جنت میں بھی ایک تمنا رہ گئی"۔

دوسرا۔ (حیرت سے) وہ کیا؟۔

پہلا۔ وہاں ایک ایسی دل فریب نازنین نظر آئی کہ دل بے اختیار ہاتھ سے نکل گیا لیکن خدا جانے کیا بات تھی کہ ہزار کوشش کی مگر اس آفتِ زمانہ حور نے بات کا جواب تک نہ دیا۔

دوسرا۔ واقعی تعجّب کا مقام ہے جنّت میں تو ایسا نہ ہونا چاہیے۔ کسی حور کی طرف تمہارے دل کا میلان ہو اور وہ التفات نہ کرے تو یقیناً سارا لطف خاک میں مل جائے گا۔

یہ سُنکر ایک تیسرا شخص بول اُٹھا۔ حقیقت میں اس قسم کے بعض نقصانات وہاں انسان کو نظر آجاتے ہیں۔ اس مسئلے کو میں نے شیخ کے سامنے بھی پیش کیا تھا، جنھوں نے بہت آسانی سے میرا اطمینان کر دیا۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے کہا تھا اور گویا اس وقت بھی میرے کان میں کہہ رہے ہیں تم اپنے مادّی پیکر کے ساتھ ہزار کثافتیں لے کر اس عالمِ نور میں جاتے ہو۔ اور پھر امید کرتے ہو کہ سروشبستان کو اسی پاک و مجرّد حیثیت سے دیکھو جس طرح غیر مادّی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ یہ خود تمہارے نقصان اور تمہارے مادّی عجز ہیں۔ جو اس خیرِ نور کو معیوب دکھاتے ہیں۔

پہلا۔ اور وہاں میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اس حور کو وہ تجرّد حاصل نہیں جو اوروں کو ہے۔ اس لیے کہ مادّی تعلّقات کلیتہً منقطع نہیں ہونے پائے تھے۔

دوسرا۔ بے شک یہی سبب ہوگا۔ اوّل تو اس حور میں ذاتاً نقصان موجود تھا پھر تمہیں اپنی مادّی آنکھوں سے اور زیادہ بدنما نظر آیا۔

حسین (کسی قدر تعلق خاطر سے) اور کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حور کا نام کیا تھا؟

پہلا۔ ہاں مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام زمرّد ہے۔ اور میری حور نے جس کے آغوش کا مزہ زندگی بھر نہ بھولے گا۔ یہ بھی بتایا کہ اسے کسی خاکی پیکر سے اس قدر تعلق ہے کہ جنّت کی سیر کرنے والوں میں سے کسی کی طرف التفات نہیں کرتی۔

دوسرے دن حسین یہاں سے رخصت ہو کر آگے روانہ ہوا۔ اور دو ہی چار روز میں قلعہ التمونت کے پھاٹک پر کھڑا تھا۔

چھٹا باب

مردودِ ازلی

قلعہ التمونت کے پھاٹک پر حسین روکا گیا۔ اور چونکہ اندر داخل ہونے کا اجازت نامہ نہیں پیش کر سکا۔ لہذا وہی خط جو شیخ علی وجودی نے لکھ دیا تھا۔ اس سے لے کے قلعدار کے پاس بھیجا گیا۔ پھر رکن الدین خورشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا جو ان دنوں تمام باطنین کا امام اور علی ذکرۃ السلام کا پوتا تھا۔ خورشاہ کا ہنوز عنفوان شباب تھا مگر چونکہ ان لوگوں کے عقیدے میں امام پیدا ہوتے ہی امام ہوتا ہے لہذا ان کی تقدس دوجاہت میں نوعمری سے کوئی فرق نہیں آنے پاتا۔ ان کے نزدیک اگر رتبۂ امامت حاصل ہو تو ایک چھ برس کا بچہ اور ساٹھ برس کا بوڑھا دونوں یکساں معصوم ہیں۔ اور دونوں کے احکام یکساں طریقے سے واجب التعمیل ہیں۔ یہ سلطنت اور یہ مذہب دونوں حسن بن صباح کی بے نظیر کوششوں سے قائم ہوئے تھے جس کو اب ڈیڑھ سو برس گزر چکے تھے۔ اور باوجودیکہ دنیا میں بڑے بڑے انقلابات ہو گئے مگر اس خاندان کا وہی دور دورہ رہا۔ بعض دلیر اور اولوالعزم حملہ آوروں نے دو ایک مرتبہ یہاں کی پولٹیکل قوت کو ضرر پہنچا دیا۔ مگر مذہبی اثرات

پہلے سے زیادہ ترقی پر ہیں اور التمونت کا قلعہ اسی طرح مامون و محفوظ چلا آتا ہے جس پر مخالفت کے ساتھ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔

مذہبی مقتدائی کا تاج تو یہاں کے تاجداروں کے سر پر ابتدا ہی سے تھا۔ مگر علی ذکرۃ السلام کے عہد سے یہ لوگ اپنے آپ کو امام اور یادگارِ خاندانِ نبی فاطمہ بھی کہنے لگے۔ اس لیے ذکرۃ السلام نے دعویٰ کیا کہ جب میں بچہ تھا تو نزار بن مستنصر فاطمی کے پوتے سے مخفی طور پر بدل لیا گیا تھا۔ اس وقت ان لوگوں نے اعلانیہ امامت کا دعویٰ کر دیا اور اب اپنے آپ کو نورِ محض اور لاہوت و ناسوت کا برزخ ظاہر کرتے ہیں۔ جو لوگ بادشاہ یا امام کے احکام بے عذر و بے حجت آنکھیں بند کر کے بجالاتے ہیں اور جن کے خنجر سے سارا زمانہ کانپ رہا ہے فدائی کہلاتے ہیں۔ ان کی یہ حالت ہے کہ مقتدا اور فرمانروا کے حکم پر جان دینا اور خودکشی ہی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں انھیں فدائیوں کی وجہ سے جو رعب داب رکن الدین خورشاہ کے دربار میں ہے۔ شاید اس کے عہد کے کسی بادشاہ کے دربار میں نہ نظر آتا ہوگا۔ یہاں کسی کی اتنی مجال نہیں کہ بادشاہ کے سامنے بے ادبی و مخالفت کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

شیخ علی وجودی کا خط دیکھتے ہی حسین کو یاریابی کی اجازت دی گئی۔ بڑے بڑے قوی ہیکل اور مہیب شکل و شمائل کے فدائی اسے پکڑ کر خورشاہ کے سامنے لے گئے، حسین نے سامنے جا کر جیسے ہی فرمانروائے التمونت کی صورت دیکھی دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور چلّایا۔

"ہذا امامی! ہذا امامی!" رکن الدین اس کے اٹھانے کے لیے جھکنے ہی کو تھا کہ اہلِ دربار میں سے بعض ممتاز لوگوں نے اسے اٹھا کر کھڑا کیا۔ اور کہا بے شک یہی امام زمانہ ہیں۔ نور محض ہیں مگر ادب و صبر سے کام لو اور جو التجا ہو پیش کرو۔

خورشاہ۔ اے نوجوان آملی! تجھ میں کیا بات ہے کہ وادی ایمن تیری انتہا سے زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ تیرے علم و فضل کے بھی مدّاح ہیں اور تیری بہادری و

جانبازی کے بھی ۔

حسین ۔ (ادب سے زمین چوم کر) صرف اس سبب سے کہ میں نے ان کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ۔ اور کبھی اس بحرِ حقیقت کے حکم سے انحراف کرنے کی جرأت نہیں کی ۔

خورشاہ ۔ اور اب شیخ نے تجھے کس غرض سے یہاں بھیجا ہے ؟

حسین یا امام قائم قیامت! میں فردوس بریں کو ایک نظر اور دیکھنا چاہتا ہوں ۔

خورشاہ ۔ (غور کر کے) ابھی تک تو ان لمعاتِ انوارِ لم یزلی سے یہی آواز آرہی ہے کہ لن ترانی ۔

حسین ۔ مگر امام قائم قیامت کی توجہ نے شفاعت کی تو ممکن نہیں کہ میری آرزو نہ بر آئے ۔

خورشاہ ۔ اے ابوالہوس پیکرِ خاکی! ابھی اس کے متعلق تجھے کسی قسم کی امید نہیں دلائی جا سکتی ۔

یہ کہہ کر خورشاہ ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہونے کو تھا کہ حسین نے آبدیدہ ہو کر اور نہایت ہی پر درد اور مایوسی کی آواز میں کہا " تو اس ادنیٰ جاں نثار بارگاہِ امامت کو اجازت ملے کہ اس آستانے پر ٹھہر کر اس وقت کا انتظار کرے جب کہ یہ آرزو بر آئے گی آئندہ عید قائم قیامت کے موقعہ پر وادی ایمن بھی یہاں تشریف لائیں گے کیا عجب کہ اس دن جب کہ قائم قیامت اور امام یکجا ہوں گے اور مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے زیادہ قربت ہو گی میری دعا قبول ہو جائے ۔

خورشاہ ۔ اچھا ٹھہرو مگر یہ خیال رہے کہ یہاں کے امتحان زیادہ سخت ہیں ۔

حسین ۔ میں ہر قسم کا امتحان دینے کو تیار ہوں ۔

خورشاہ نے اس کے بعد دوسرے شخص کی طرف توجہ کی اور پوچھا "دیدار تم کب آئے ؟"

دیدار۔ (ہاتھ جوڑکر) آج ہی صبح کو۔
خورشاہ ۔ اورجس کام کے لیے گئے تھے وہ پورا ہوگیا۔
دیدار ۔ میرا خنجر کبھی خالی گیا ہے؟ اگرچہ مہم دشوار تھی۔ مگر جنّت کے شوق میں وہاں پہنچا اورامام کے حکم کو نہایت کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔
خورشاہ ۔ ہاں بیان کرو۔ تم نے چغتائیؒ خاں کو کیونکر قتل کیا۔
دیدار ۔ یاامام قائم قیامت! ترکستان میں اس جاں نثار کا نام متقّی تھا وہاں کی مختلف صحبتوں میں شریک ہوکر فدوی نے ایسی ہر دلعزیزی پیدا کی کہ منقوخاں، چغتائیؒ خاں کے بہادر بیٹے کے دل میں مجھ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے مجھے بلوا کر اپنے گھر میں رکھا۔ اورکئی مہینے تک یہ حالت رہی کہ جب تک میں نہ ہوتا کسی بات میں اس کا دل ہی نہ لگتا۔ اس نے مجھے اپنے باپ سے ملایا۔ اب چغتائیؒ خاں بھی میری باتوں کا دیوانہ تھا۔
چند روز تک باپ بیٹوں کا میرے سوا کوئی انیس وجلیس نہ تھا۔ چغتائیؒ خاں اپنی ذات سے ایسا زبردست اورقوی ہیکل واقع ہوا تھا کہ اس پر حملہ کرکے کامیاب ہونا مجھے نہایت دشوار نظر آیا۔ اوراسی وجہ سے کئی مرتبہ موقعہ ملنے پر بھی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ایک روز رات کو جبکہ ہلاکوں خاں کسی بڑی مہم سے آیا تھا۔ اورمنقوخاں اس سے ملنے گیا تھا چغتائیؒ خاں مجھے تنہائیؒ میں سوتا ہوا مل گیا۔ اس سے زیادہ مناسب موقعہ ملنے کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ میں نے چپکے ہی چپکے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں ایک رسّی سے باندھ دیے اورپھر سینے پر چڑھ کر اس کا کام تمام کیا اورچغتائیؒ خاں کے قتل کے بعد میں واپس چلا آیا۔ مگر مجھے حکم تھا کہ ان لوگوں کو بتا بھی دوں کہ چغتائیؒ خاں قتل کیا گیا۔ اس غرض کے لیے ان تمام حالات کو ایک خط میں لکھ کر میں نے پہلے ہی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اب اسی خط کو لے کر ہلاکو خاں کی فرودگاہ کی طرف چلا خوش نصیبی سے چغتائیؒ خاں کی بیٹی راستے میں مل گئی جو ہلاکو خاں سے مل کر اپنے گھر آرہی تھی۔ رات کے اندھیرے میں میں نے وہ خط اس

کے ہاتھ میں چپکے سے رکھ دیا اور بھاگ کر قریب کے ایک جنگل میں چھپ رہا۔ دوسرے دن صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ قراقرم[1] ماتم کدہ بنا ہوا ہے اور ہر شخص کو میری جستجو ہے۔ بعدہٗ موقعہ پاکر میں نے ایک غار میں پناہ لی اور پورے آٹھ دن تک اسی میں چھپا بیٹھا رہا۔ نویں دن جب میدان خالی نظر آیا تو اس غار سے نکل کر ادھر کو روانہ ہوا جس کے تین مہینے بعد اب آستان بوسی کی عزّت حاصل کر رہا ہوں۔

خورشاہ۔ بے شک دیدار تم نے بڑا کام کیا۔ اور مستحق ہو کہ تمھیں آج ہی جنت کی سیر کرائی جائے۔

یہ سُنتے ہی دیدار بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا مگر خورشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اُٹھایا اور ساتھ ہی لے جانے کو تھا کہ حسین نے از خود رفتگی کے جوش کے ساتھ کہا، اے بیرحم بادشاہ میں سب سے زیادہ جنّت میں جانے کا آرزومند ہوں اگر یوں نہیں تو میرا امتحان ہو۔ بنایا جائے کہ میں بھی کسی کو قتل کروں مگر آہ زمرّد کے فراق میں صبر نہیں ہو سکتا۔

خورشاہ۔ نہ ابھی تمھارا امتحان لیا جا سکتا ہے اور نہ تم کو باغِ فردوس میں جانے کا کوئی استحقاق ہے۔

حسین۔ (جوش و خروش سے) مجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کی زندگی کا چراغ گل کیا ہے۔ امام نصر بن احمد کے خون میں ہاتھ رنگ چکا ہوں اب اس کے بعد بھی کیا کوئی مجھ سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔

میں صرف اپنی بے صبری ہی کی وجہ سے مستحق نہیں بلکہ ایک مینونشین حور بھی میرے لیے حیران و پریشان ہے۔

یہ گستاخانہ جملے سنتے ہی سب چونک پڑے بعض حسین پر حملہ کرنے کو جھپٹے، قریب تھا کہ گرد کے قوی ہیکل فدائی اس کی بوٹیاں اُڑا دیں مگر خود خورشاہ نے ہاتھ کے اشارے

---

[1] قراقرم تاتاریوں کا قدیم دارالسلطنت تھا جو کاشغر کے قریب ہے۔

سے سب کو روکا اور نہایت ہی متانت کے ساتھ حسین کی طرف دیکھ کر بولا "اس گستاخی اور بدتمیزی کی سزا میں تم سے کہا جاتا ہے کہ فوراً قلعہ سے باہر نکل جاؤ اور تم ہرگز اس کے مجاز نہیں کہ اس فردوسِ بریں کی پاک زمین تمہارے قدم سے ناپاک کی جائے۔ تمھاری سزا قتل تھی چند ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے میں تمھارے قتل کو مناسب نہیں خیال کرتا۔ مگر اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس قلعہ میں ایک گھڑی کے لیے بھی ٹھہرنے پاؤ" حسین کو فوراً اپنی گستاخی کا خیال آیا ایک بے اختیاری کی شان سے وہ زمین پر گر پڑا۔ اور عاجزی کے لہجہ میں رو رو کے کہنے لگا "یا امام قائم قیامت میری خطا معاف ہو جوشِ عشق میں بے اختیار و بے خود ہو گیا تھا" لیکن بالکل شنوائی نہ ہوئی خورشاہ دیدار کو لیے ہوئے اپنے محل میں چلا گیا۔ اور اس کے جاتے ہی لوگوں نے حسین کو زبردستی دھکے دیکر قلعہ سے نکال دیا۔ اس نے ہزار منت سماجت کی مگر ایک پیش نہ گئی بلکہ بعض لوگوں نے کہا کہ تم بڑے خوش نصیب تھے کہ صرف خارج البلد کیے جاتے ہو۔ ورنہ یہاں گستاخی کی سزا قتل ہے۔

حسین۔ پھر اب میں کیا کروں؟ اور کہاں جاؤں؟۔

لوگ۔ ہم نہیں جانتے تمھیں اختیار ہے؟

حسین کی مایوسی کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی۔ صرف یہی نہ تھا کہ وہ زمرد کے وصال سے مایوس ہو گیا بلکہ اپنے آپ کو رحمتِ باری اور نجاتِ سرمدی سے دور سمجھتا تھا۔ اس کے عقیدے میں تھا کہ جب میں اس درگاہ سے مردود ہو گیا تو پھر کہیں ٹھکانا نہ لگے گا۔ التمونت کے باہر پہاڑوں میں روتا اور چٹانوں سے سر ٹکراتا تھا دل میں آئی کہ اپنے شیخ شریف علی وجودی کے پاس جا کر ان سے معافی کی درخواست کرے مگر خیال کیا کہ اس بارگاہ امامت سے نکالے جانے کے بعد وہ بھی اپنے وہاں پناہ نہ دیں گے۔ خیال ہر طرف لے جاتا۔ اور ہر طرف سے مایوسی کے آثار نظر آتے آخر اسے زمرد کی نصیحت یاد آئی۔ اور اس کے ساتھ ہی کوہ البرز کی گھاٹی اور زمرد کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی یکایک آپ ہی کہہ اٹھا "تو مجھے وہیں

چلنا چاہیے پس اب میرے لیے وہاں کے سوا اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں"۔ مگر اس کے ساتھ ہی دل میں خیال گزرا کہ اب تو وہاں بھی مقصد وری کی امید نہیں جب اس نورستان اور سروشبستان سے میرے تعلقات مطلقاً قطع کر دئے گئے" تو وہ بھی مجھ سے ناخوش ہوگی۔ اور اگر بالفرض خوش بھی ہو اور وہ قدیم محبت اس کے دل میں باقی بھی ہو تو یہ کیوں کر ممکن ہوگا کہ امام اور مرشد کے خلاف وہ مجھے کسی قسم کی مدد دے سکے۔ اب تو یہ بھی امید نظر نہیں آتی کہ پہلے کی طرح اور وعدے کے مطابق وہ مجھے کامیابی کا کوئی راستہ بتا سکے۔ یہ خیال کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بار بار دل میں آتی تھی کہ انھیں پہاڑوں سے سر ٹکرا کر خودکشی کر لے مگر اس میں اور زیادہ مایوسی کا یقین تھا۔ آخر اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ چلو زمرد ہی کی قبر پر چل کر بیٹھوں۔ اگر مایوسی ہوگی تو بھی یہ کیا کم ہے۔ دل کی الجھن زیادہ بڑھے گی تو اس حوروش کی قبر کو سینے سے لگا لوں گا۔

یہ فیصلہ کر کے وہ روتا اور سر دھنتا ہوا پہلے قزوین گیا پھر قزوین سے نکل کر کوہ البرز کی اس پرانی گھاٹی میں پہونچا۔ اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اتنے انقلاب، اتنی سرگردانی کے بعد اب پھر وہ معشوقۂ دلبر کی تربت کا مجاور ہے۔ اسی طرح شب و روز عبادت، فاتحہ خوانی میں مصروف رہتا ہے قبر کے پاس بیٹھ بیٹھ کر گھنٹوں زمرد کے خیال سے باتیں کرتا ہے اور بار بار رو کے کہتا ہے "اے مینو نشین نازنین خدا کے لیے اپنی قبر کی طرف توجہ کر اور دیکھ کہ میں کیسا حیران و پریشان ہوں آہ! تیرے عشق اور تیرے فراق کی بے صبری نے دونوں جہاں سے کھو دیا نہ اِدھر کا ہوا نہ اُدھر کا۔ نہ اس دنیا ہی کے کام کا رہا اور نہ اس عالم کے کام کا۔ مگر اومعشوقۂ باوفا اور بارگاہِ لم یزلی کی مقبول نازنین میرے حال زار پر توجہ کر۔ اس درگاہ میں میری شفاعت کر اور اپنی محبت کا صدقہ مجھے اپنے وصل سے مایوس نہ رکھ۔

یہی خیالات تھے کہ جن کو وہ قبر کے سامنے ظاہر کرتا اور یہی دعا تھی جو ہر وقت اس کے لب پر تھی۔ آخر ایک دن اس کی امید بر آئی۔ صبح سویرے آنکھ کھول کر دیکھا تو

قبر پر زمرد کا خطر رکھا ہوا تھا۔ ایک نہیں بلکہ دو خط جن میں سے ایک لفافہ میں بند تھا، اور دوسرا کھلا ہوا۔ حسین نے دونوں خطوں کو اُٹھا کر چوما اور آنکھوں لگایا اور کھلے خط کو پڑھنے لگا۔ جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

"حسین تو نے بڑی غلطی کی، امام قائم قیامت کی خدمت میں گستاخی کی۔ یہی غنیمت ہے کہ تو بچ گیا۔ افسوس کہ میں اپنے دل کو تیری طرف سے نہیں پھیر سکتی چند روز کے لیے یہاں آکر تو مجھے اور بے تاب کر گیا اور اسی بے تابی کا نتیجہ ہے جو میں تجھے خط لکھ رہی ہوں۔ افسوس وہ کام کرنے پر آمادہ ہوگئی جو مجھے کرنا نہ چاہیے تھا مگر مجبوری تھی جو بات ہونے والی تھی کیونکر رکتی۔ خیر اب تو مستعدی سے میری تدبیر پر کاربند ہو مگر یہ سمجھ لے کہ یہ بہت ہی نازک کام ہے جسے ضبط و تحمل سے انجام دینا چاہیے۔ اگر تو نے ذرا بھی میرے مشورے کے خلاف عمل کیا تو تجھے بھی ضرر پہونچے گا اور مجھے بھی۔ اور پھر ہم کبھی نہ مل سکیں گے۔ یہ آخری اور سخت تدبیر ہے اور اس کے عمل میں لانے پر میں اس وقت مجبور ہوئی ہوں جب یہ یقین ہوگیا کہ تیرے لیے اب امید و آرزو کے سب دروازے بند ہو گئے۔ یہ دوسرا خط جو تجھے اس خط کے ساتھ ملے گا۔ اسی طرح بند رکھ۔ اس کو لے کر مشرق کی طرف روانہ ہو اور سیدھا شہر تراقرم میں جا جو کاشغر کے قریب ہے۔ وہاں مغلوں کے شاہی خاندان میں ایک ملکہ ہے بلغان خاتون۔ اس سے تنہائی میں ملنے کی کوشش کر اور میرا یہ خط اسے دیدے تو اس امر کی کوشش نہ کر کہ اس میں کیا لکھا ہے اور نہ اس امر کو بلغان خاتون سے پوچھنا۔ وہ تجھ سے جو سوال کرے بس اس کا صحیح جواب دیدے اور ملکہ بلغان خاتون جس امر کا ارادہ کرے اس میں اس کی مدد کر۔ اگر وہ تیرے ساتھ

کیا ظاہر ہوتا ہے ـــــ تیری دلدادہ

زمرد"

حسین نے یہ خط پڑھتے ہی دوسرے خط کو احتیاط سے اپنے سینہ میں رکھ لیا اور فوراً قراقرم کی طرف چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں بار بار اس کے دل میں آتا تھا کہ مجھے وہاں بھیجنے سے زمرد کی کیا غرض ہے۔ مگر اس کو وہ خود ہی مٹاتا اور کہتا کہ ان معاملات کے تجسس سے زمرد نے منع کیا ہے تاہم ایک چیز کی اسے بڑی فکر تھی یہ کہ زمرد نے ملکہ کے سوالوں کا سچ سچ جواب دینے کی ہدایت کی ہے اور میں ایسے کام کر چکا ہوں جن کے ظاہر کرنے میں ہر جگہ جان کا اندیشہ ہے کیا یہ بتا دوں کہ میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کو بے خطا و بے قصور قتل کیا۔ یا امام نصر بن احمد کی نماز پڑھنے میں جان لی اور سب باتیں درکنار وہاں تو شاید اگر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے فرقہ باطنیہ سے کوئی تعلق ہے تو واجب القتل قرار دیا جاؤں گا۔ کئی مہینے جو اسے منازلِ سفر طے کرنے میں صرف ہوئے انہیں خیالات اور اسی قسم کے ترددات میں گزرے۔ آخر وہ ہرات ہوتا ہوا ترکستان کی حدود میں داخل ہو گیا اور چند روز بعد خاص شہر قراقرم میں وارد ہوا جو تاتاریوں کا مرکز اور پایہ تخت تھا، قراقرم میں پہنچ کر بھی اسے کئی مہینے ہو گئے مگر شاہزادی بلغان خاتون تک رسائی نہ ہوئی جس کے حسن و جمال کے قصے سارے شہر میں مشہور تھے اور کہا جاتا تھا کہ اپنے باپ کے مارے جانے کے صدمے سے تمام لذائذ دنیوی سے علیحدہ ہو گئی ہے آبادی سے باہر اس کا ایک باغ تھا جس میں ایک وسیع اور دل چسپ شکارگاہ بھی بنی ہوئی تھی مگر باپ کے غم نے ایسا پژمردہ کر دیا تھا کہ اس نے اب اس باغ میں آنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ایک دن حسین وسط شہر میں کھڑا تھا کہ ناگہاں غل ہوا "شاہزادی بلغان خاتون آتی ہے" وہ سڑک کے کنارے ٹھہر گیا اور زیادہ انتظار کرنا نہیں پڑا تھا کہ ملکہ کئی سہیلیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار آئی اور نکل گئی۔ حسین شاید جرأت کر کے اور جان پر کھیل کر

ہاتھ میں خط دے دیتا مگر زمرد نے تاکید کی تھی کہ تنہائی میں دینا۔ مایوسی کی صورت بنائے خاموش کھڑا رہ گیا۔ اور جب شاہزادی نکل گئی تو دل میں کہنے لگا یہ تو مشکل نظر آتا ہے کہ اس ناز آفریں ملکہ کی خلوت گاہ تک میری رسائی ہو۔

چند روز اور گزر گئے۔ اب سنا گیا کہ شہزادی نے مدت کے بعد باغ اور شکارگاہ میں جانے کا ارادہ کیا ہے حسین کو امید پیدا ہوئی کہ غالباً وہاں موقعہ مل جائے گا۔ اسی خیال سے وہ پہلے ہی شکارگاہ میں چھپ رہا۔ وہاں بھی ملکہ بلغان خاتون آئی اور چلی گئی۔ مگر حسین کو موقعہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ کئی دفعہ وہ ملکہ سے دوچار ہوا مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی سہیلی موجود ہوتی تھی۔

اب حسین کو زیادہ مایوسی ہوئی۔ آخر تدبیر یہ کی کہ نوکری کا امیدوار بن کر ملکہ کی ڈیوڑھی پر پہونچا۔ اور ملازمت کی درخواست کی۔ اتنے دن قراقرم میں رہ کر اس نے چند ایسے دوست بھی پیدا کر لیے تھے جنھوں نے اس کی سفارش کی اور اسے بدشواری ملکہ کے داروغۂ اصطبل ہونے کی عزت حاصل ہوگئی۔ اس نوکری کے بعد بھی دو مہینے تک اسے تنہائی میں ملنے کا موقعہ نہ ملا۔ آخر ایک مرتبہ صبح سویرے جبکہ ملکہ اپنے بستر ناز سے اُٹھ کر غسل خانہ کو جا رہی تھی اور بالکل اکیلی تھی وہ سامنے آگیا اور جھک کر سلام کیا۔ بلغان خاتون حسین کو غیر معمولی طور پر سدِ راہ دیکھ کر ٹھہر گئی اور پوچھا:

"کیوں؟"

حسین (سامنے زمین چوم کر) سب خیریت ہے۔ مگر شاہزادی کی خدمت میں ایک خط پہنچانا ہے جس کو لیے ہوئے چھ مہینے سے قراقرم میں پھر رہا ہوں۔ اور

ہے۔

یہ کہہ کر اس نے زمرّد کا خط نکال کر شاہزادی کی طرف بڑھایا۔

شاہزادی بلغان خاتون تاتاری عورتوں میں ہی نہیں بلکہ تاتاری روٴسا کے بھی برخلاف ایک نہایت ہی شائستہ اور تعلیم یافتہ ملکہ تھی۔ وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتی تھی۔ اس قدر نہیں بلکہ شعرائے فارس کے کلام کی اچھی طرح داد دے سکتی تھی اور مشکل سے مشکل اور بلیغ سے بلیغ فارسی کو بوجہ احسن سمجھ لیتی تھی۔ خط کو ہاتھ میں لیتے ہی اس نے غور سے دیکھا اور لفافہ کو سادہ پا کر تعجب سے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا:

یہ خط بھیجا کس نے ہے؟

حسین۔ شاہزادی کو پڑھنے کے بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ خط کسی انسان کا نہیں بلکہ ایک حور کی طرف سے ہے جس کا نشیمن اس سرو شبستان اعلیٰ اور خلدِ نور میں ہے۔

بلغان خاتون نے یہ جواب سن کر اور حیرت زدہ ہو کر حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا "اگر فردوسِ بریں کی کسی حور کا خط ہے تو تم کو کیونکر ملا اور تم سے اس کا کیا تعلق؟"

حسین۔ بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اس کی یاد میں سر دھنتا ہوں اور کبھی کبھی وہ کوئی خط کسی روحانی ذریعہ سے میرے پاس پہنچا دیتی ہے۔

تاتاری شاہزادی یہ سن کر اور متحیر ہوئی اور حسین کو غور سے دیکھتی رہی اور پھر دل میں سوچ کر بولی "اچھا اب اس وقت تم جاؤ اس خط کو اطمینان سے پڑھ کر میں تم کو بلاؤں گی۔"

حسین۔ (سینہ پر ادب سے ہاتھ رکھ کر) بہتر مگر اتنا خیال رہے کہ اس بارے

میں جو کچھ دریافت فرمانا ہو شاہزادی اسی طرح تنہائی میں بلا کر دریافت فرمائیں۔ میں اپنے راز کو کسی اور کے سامنے صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

بلغان خاتون ۔ میں اکیلی ہی ملوں گی۔

یہ خط اور حسین کا بیان ایسی غیر معمولی چیزیں تھیں کہ شاہزادی بلغان خاتون نہانا بھی بھول گئی۔ حسین کے واپس جاتے ہی پھر اپنی خواب گاہ کی طرف پلٹ گئی۔ تنہا بیٹھ کر خط کھولا، اور نہایت توجہ و مستعدی سے پڑھنے لگی۔

مضمون حسب ذیل تھا۔

"او غمزدہ اور نیک دل شاہزادی! تو اپنے باپ کے غم میں مبتلا ہے جو باطنین کے فدائی دیدار کے ہاتھ سے نہایت دغا بازی کے ساتھ قتل ہوا۔ مجھے تیرے رنج و الم سے ہمدردی ہے۔ اسی لیے میں اپنے منصب کے خلاف تجھے خبر دیتی ہوں کہ دیدار یہاں التمونت میں بیٹھا جنّت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ اگر تو اپنے باپ کا انتقام چاہتی ہے۔ اگر دنیا کے پردے سے ایک بہت بڑا فتنہ دور کرنا چاہتی ہے تو اسی حسین کے ساتھ جو میرا خط لایا ہے اور جو جنّت کی زیارت کے شوق میں عقل و ہوش بلکہ دین و ایمان تک کھو چکا ہے۔ کوہ البرز کی وادی میں میری تربت پر آ کر قبر کے پتھروں کو اُلٹ ان کے نیچے تو میرا دوسرا خط پائے گی جو تیری رہبری کرے گا، اور تو اپنے باپ کے انتقام کے ساتھ ایک بڑے طلسم کو

توڑ کر دنیا کا سب سے بڑا راز کھولے گی۔ اس وقت تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا اور ملاء اعلیٰ میں کتنا فرق ہے۔ حسین سے تو اس کے حالات پوچھ سکتی ہے، تجھے معلوم ہوگا کہ اس کے دل پر فردوس بریں کا کتنا اثر ہے جہاں میں ہوں۔ یہی جنّت میں تجھے بے منّت دکھاؤں گی اور تیرا مجرم تیرے ہاتھ میں ہوگا۔ لہذا آ اور جلدی آ۔ مگر خیال رہے کہ ۲۷ رمضان کی صبح کو میری تربت پر موجود ہو اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ کافی تعداد میں ایک تاتاری لشکر تیرے قریب ہی موجود رہے۔ لیکن میری قبر پر تجھے اپنے ساتھ میں چار آدمیوں سے زیادہ کے گروہ کو نہ لانا چاہیے۔

مینو نشین زمرّد"

بلغان خاتون کے حق میں یہ خط کسی جادو یا تسخیر کے حکم سے کم اثر نہ رکھتا تھا۔ جس کو پڑھتے پڑھتے کبھی وہ انتہا سے زیادہ غضبناک ہو جاتی اور کبھی ایسے خاص خیال سے اس کے دل کو گونہ تسکین ہو جاتی۔ مگر حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ تھی، اس نے خط کو اول سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر پڑھا اور پھر غوطہ میں آ گئی پھر پڑھا۔ پھر متفکر چہرہ بنایا اور نازک طلائی رخساروں کو ہاتھ پر رکھ کر سوچنے لگی۔ آخر بہت دیر کے تردّد و انتشار کے بعد اس نے حسین کو اپنے سامنے بلایا ہے اور وہ پوچھنے لگی۔

"تم جانتے ہو اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

حسین ۔ نہیں مجھے ایک لفظ کی بھی خبر نہیں ۔
یہ جواب پاکر بلغان خاتون نے تجسّس کی نگاہ سے حسین کو گھور کر دیکھا اور پوچھا "تم مذہب باطنیہ کے پابند ہو"
حسین ۔ (ڈر کر) جی ہاں ۔
بلغان خاتون ۔ تم نے جنت کی سیر کی ہے ؟ ۔
حسین ۔ ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے ۔
بلغان خاتون ۔ اچھا تمہاری یہ ہوس پوری ہو جائے گی ۔ مگر یہ بتاؤ تمہارا شمار بھی فدائیوں میں ہے ؟ ۔
حسین ۔ البتہ ۔
یہ جواب سن کر بلغان خاتون نے حسین کو پھر گھور کر دیکھا ۔ اور پوچھا "تم نے کتنے لوگوں کی جان لی ہے ؟"
حسین ۔ صرف دو شخصوں کی ۔ مگر بڑے بڑے شخص جن کے قتل کرنے کا مجھے افسوس ہے ۔
بلغان خاتون ۔ ان پر خنجر چلاتے وقت تمھیں ترس نہ آیا ۔
حسین ۔ آیا تھا مگر مرشد کے حکم سے میں انحراف نہیں کر سکتا تھا ۔
بلغان خاتون (تعجّب سے) مرشد کے حکم سے اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لینے میں کیا تمھیں اپنے نیک و بد کا خیال نہیں آیا ۔
حسین ۔ نیک و بد ہمیں نظر ہی کب آسکتا ہے ۔ ہم ہر چیز کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور شیخ کی نگاہیں باطن پر یا یوں کہنا چاہیے کہ اصلی حقیقت پر پڑتی ہیں ۔
بلغان خاتون ۔ اگر مرشد کنویں میں گرنے کو کہے تو گر پڑو گے ؟
حسین ۔ بلا تامّل یہی ہمارا پہلا عقیدہ اور پہلی ریاضت ہے ۔ مرشد جس

خوبی کو دیکھ کر حکم دیتا ہے۔ اس کے سامنے اس بُرائی یا معزت کی کوئی ہستی ہی نہیں۔

بلغان خاتون۔ زمرّد کی تم سے کیونکر مفارقت ہوئی؟۔

حسین۔ میں منع کرتا رہا۔ اس نے نہ مانا اور کوہ البرز کی اس گھاٹی میں چلی گئی جہاں کبھی کبھی پریوں کا گزر ہوتا ہے۔ ہمارے جاتے ہی پریاں بھی آپہونچیں، انھوں نے آتے ہی اسنے مار ڈالا۔ اس کی وہاں قبر بنادی۔ جس پر میں مدتوں آہ وزاری کرتا رہا۔

شہبادت نے زمرد کو فردوسِ بریں میں پہچادیا اور میں قبر پر پڑا موت کا منتظر تھا کہ زمرّد نے فردوس بریں سے خط بھیج کر مجھے فرقہ ناجیہ باطنیہ میں داخل ہونے کی ہدایت کی اور اپنے پاس پہونچنے کا طریقہ بتایا۔ اُس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کر کے میں ایک بار اس کے دیدار سے شرف یاب ہوچکا ہوں مگر افسوس پھر ملنے کی امید نہیں۔

اب دوبارہ کوشش اس کی زیارت کے لیے آپ کے ذریعہ سے شروع ہوتی ہے مگر چونکہ مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں۔ لہذا آپ کے سامنے میں اپنی کوئی آرزو بھی نہیں پیش کر سکتا۔

بلغان خاتون کو حسین کی اس سادہ مزاجی پر حیرت ہوئی۔ وہ کسی قدر مسکرائی اور کہا بے شک میں اپنی آرزو میں بامراد ہوگئی اور تمھاری تمنا بر آئے گی۔ لیکن مجھے بھی اسی مقام تک پہونچادو جہاں زمرّد کی قبر ہے اور جس جگہ تم کہتے ہو کہ وہ پریوں کا نشیمن ہے۔

حسین۔ اس امر کا تو مجھے حکم ہوچکا ہے۔ شاہزادی جب تشریف لے چلیں یہ غلام ہمرکاب ہوگا۔

بلغان خاتون ۔ حسین اگر میں کسی شخص کے قتل کرنے کو کہوں تو تم اسے قتل کر ڈالو گے؟

حسین ۔ بے شک ۔ بشرطیکہ اسے قتل کرنے میں مضائقہ نہ ہو ۔

بلغان خاتون ۔ یہ قید تم مرشد سے بھی لگاتے ہو؟

حسین ۔ نہیں مرشد کے تعلقات مرید کے ساتھ اور قسم کے ہیں۔ ان کے ساتھ میں مرید کو ایک بے جان آلے کی طرح رہنا چاہیے ۔

بلغان خاتون ۔ خیر اب تو میں سفر کا سامان کرتی ہوں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ ۔

حسین۔ میں ہر وقت تیار ہوں ۔

یہ کہہ کر شاہزادی نے حسین کو رخصت کیا اور خود حمام میں گئی ۔ مگر اس کی حیرت کسی طرح کم ہونے کو نہ آتی تھی ۔ لوگ اس کے مزاج میں کوئی غیر معمولی تغیر پاتے تھے ، جس کے متعلق ہر شخص سوال کرتا ۔ مگر وہ خاموش تھی اور حیرت زدہ ۔ دوسرے ہی دن علی الصباح اس نے ایک سانڈنی سوار کو اپنا ایک خط دے کر کسی طرف روانہ کیا اور خود بھی روانگی کا سامان کرنے لگی ۔ مگر اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ اپنے ابن عم اور شہنشاہ ترکستان منقوخاں سے اجازت حاصل کرے جس کے لیے وہ ایک تردد میں تھی ۔

ساتواں باب

بلغان خاتون کا سفر

جس روز حسین نے اپنی مینونشین معشوقہ زمرّد کا خط بلغان خاتون کو پہنچایا ہے اس کے ایک ہفتہ کے بعد صبح کے وقت تاتاری شاہزادی اپنے بھائی منقوخاں کے پاس گئی منقوخاں کے دربار میں اس وقت خاندانِ تاتاری کے کئی معزز رؤساء موجود تھے جن کے سامنے وہ کہتے ہوئے جھجکی اور دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ بہن کو چپ دیکھ کر منقوخاں نے کہا:

"بہن یہ غیر معمولی سکوت کیا؟"

ایک درباری۔ شہزادی اپنے والد کے غم کو ابھی تک نہیں بھولیں۔

منقوخاں: ہاں بلغان اب تو اس غم کو چھوڑ دو۔ اتنے دنوں تک غم والم میں مبتلا رہنا ہماری قومی شجاعت کے خلاف ہے۔

منقوخاں ۔ وہ کیا ؟ ۔

بلغان خاتون ۔ بھائی آپ نے تو بہت سے مہمیں سر کیں ۔ مگر اب ارادہ ہے کہ ایک مہم کو میں خاص اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام دوں ۔

اس جملے کے سنتے ہی سب لوگ حیرت میں آ گئے ۔ اور منقوخاں نے اسے گھور کر دیکھا اور پوچھا :۔

"بہن خیر تو ہے، کیسی مہم ؟ بہن کیا میرے اسلحہ نے جواب دے دیا ہے ۔ فقط تمہارے کہدینے کی ضرورت ہے جس ملک یا جس قوم کو کہو میرے جانے کی بھی ضرورت نہیں ۔ ہمارے بہادر سپاہی جائیں گے اور ایک آن میں تہہ و بالا کر دیں گے ۔"

بلغان خاتون ۔ یہ صحیح ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ اس کام کو خاص اپنے ہاتھ سے انجام دوں ۔

منقوخاں ۔ آخر کونسا کام ہے ۔ اور کس پر فوج کشی کا ارادہ ہے ۔

اس کے جواب میں بلغان خاتون نے زمرد کا خط اس کے سامنے رکھ دیا ۔ اور کہا "پہلے اسے پڑھ لیجیے پھر پوچھیے گا ۔"

منقوخاں نے خط کو اوّل سے آخر تک پڑھا ۔ لیکن ختم کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے ۔ اس نے غضب آلودہ چشم و ابرو اور خم شدہ ہونٹوں سے خط کو تمام کر کے غصّہ سے پھینک دیا اور کہا "بہتر، بہن تم مطمئن رہو ۔ میں کل ہی ہلاکو خاں کو لکھتا ہوں ۔"

بلغان خاتون ۔ نہیں یہ میرا کام ہے ۔

منقوخاں ۔ تم جا کے کیا کرو گی ؟ جنگ پیکار تمہارا کام نہیں ۔

بلغان خاتون ۔ اسی خیال کو دنیا سے مٹا کر میں ثابت کرنا چاہتی ہوں

کہ عورتیں بھی ویسی ہی بہادر ہیں جیسے مرد۔ اگر موقعہ دیا جائے تو وہ کسی امر میں مردوں سے کم نہیں رہیں گی اور ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہاں لڑنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔

منقوخاں۔ بے شک ہوگی۔ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔ باقی رہی عورتوں کی شجاعت، میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں کی حکومت مردوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے تاجدار اور بڑے بڑے صف شکن جو عالم کے تخت اُلٹ دیتے اور ساری دنیا کے بہادروں کے دست بازو تھکا دیتے ہیں۔ ان پر بھی جو حکومت کرتا ہے وہ عورت ہے۔ مگر عورت کے اسلحہ دوسرے ہیں، وہ تیر اور خدنگ، شمشیر و خنجر سے نہیں لڑتی۔ بلکہ اپنے حریفوں پر تیر نظر، خدنگِ ناز، شمشیرِ ابرو اور خنجرِ مژگاں سے فتحیاب ہوتی ہے۔ لیکن عورت کے یہ اسلحے اس میدان جنگ میں کارگر نہیں ہو سکتے جس میدان میں تم جانا چاہتی ہو۔ ایسے میدانوں کی فتح مردوں کے اسلحہ کے نام پر ہے۔

بلغان خاتون نے اس جواب پر شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ مگر نیچی ہی نظروں میں اس نے پھر متانت پیدا کی اور کہا "بھائی ایسا نہ سمجھیے میں اسی طرح بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کروں گی۔ جس طرح کسی بہادر تاتاری لڑکی کو لڑنا چاہیے۔"

منقوخاں۔ یہ میں جانتا ہوں مگر جس وقت تک ہم لوگ زندہ موجود ہیں تم سی نازنین کو میدانِ جنگ میں قدم رکھنے کی زحمت نہیں دی جا سکتی اور آخر تمہارے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بلغان خاتون۔ یہ صرف میرا کام ہے۔ اور اپنے فرض سے میں آپ ہی سبکدوش ہونا چاہتی ہوں۔

منقوخاں۔ خیر ایسا ہی شوق ہے تو چلو۔ مگر میں بھی ساتھ ہی چلوں گا۔ یہ مجھ

سے نہیں گوارا ہو سکتا کہ خاندانِ مغلیہ کی ایک معزز شاہزادی اپنے نامور عزیزوں کے ہوتے تنِ تنہا میدانِ کارزار میں قدم رکھے ۔

بلغان خاتون ۔ مگر بھائی وہاں کسی لڑائی کی امید ہی نہیں ۔ ہمارے چند سپاہی بھی ہوں گے تو کامیاب ہو جائیں گے ۔

منقوں خاں ۔ یہ نہ سمجھو، جو لوگ سردار کے ایک ادنیٰ اشارے پر جان دینے کو تیار ہو جائیں ۔ ان سے ڈرنا چاہیے ۔

بلغان خاتون ۔ مگر تاتاریوں کا رعب آج کل دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا ہوا ہے کہ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ بے لڑے بھڑے ہتھیار رکھ دیں گے ۔

منقوخاں ۔ بے شک ہمارا ایسا ہی رعب ہے ۔ مگر پھر بھی ایک قدیم ڈیڑھ سو برس کے شاہی و مذہبی خاندان کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دینا آسان نہیں ۔

منقوخان دیر تک اصرار کرتا رہا لیکن شاہزادی بلغان خاتون نے اس کی شرکت کسی طرح گوارا نہ کی اور جب دیکھا کہ تاجدار بھائی منظور نہیں کرتا تو جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا ۔ جسے سُن کر وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا ۔ اور آخر بڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد قرار پایا کہ اُولوالعزم و بہادر تاتاری شاہزادی پانچسو سوار ساتھ لے کر روانہ ہو جائے ۔ بلغان خاتون واپسی کے لیے اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گئی اور خط کو دوبارہ بھائی کے سامنے پیش کر کے بولی "مگر ذرا دیکھ کر یہ بھی بتلا دیجیے کہ مجھے کب یہاں سے روانہ ہونا چاہیے ۔ زمرد نے کس تاریخ کو بلایا ہے ؟"

منقوخاں ۔ (خط کو پڑھ کر) رمضان کی ۲۷ تاریخ ۔

بلغان خاتون ۔ خدا جانے اس تاریخ کے معین کرنے سے کیا غرض ہے ۔ تو پھر مجھے کوچ کر دینا چاہیے ۔

منقوخاں ۔ اس میں کوئی بات ضرور ہے اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ اس گھاٹی میں پہونچنے کے بعد تمہیں کیا پیش آئے گا ۔ ممکن ہے اس عورت نے جو اپنے کو حور بتاتی ہے فریب کیا ہو ۔

بلغان خاتون :۔ اس کی تحریر اور اس کی اس بے تکلفانہ دعوت سے مجھے فریب کی اُمید نہیں، باوجود اس کے محض اسی خیال سے میں نے تھوڑے سے سپاہی ساتھ لے جانے کا ارادہ کر لیا ہے ۔ اور آپ تو جانتے ہیں کہ اپنی حفاظت کا میں نے پورا بندوبست کر لیا ہے ۔ ہاں تو زمرد نے رمضان کی ۲۷ ؍ کو بُلایا ہے اور آج کون تاریخ ہے ؟ ۔

منقوخاں ۔ جمادی الاول کی ۲۰ ؍ قریب قریب چار مہینے باقی ہیں، راستہ بھی تین مہینے سے کم کا نہیں ۔ اگر جلدی پہنچ گئیں تو راستہ میں کسی جگہ ٹھہر جانا ۔ مگر جانا ہے تو کل ہی کوچ کر دینا چاہیے ۔

اس کے بعد منقوخاں کچھ آپ ہی سوچ کر بولا :۔ ہاں خوب یاد آیا ۔ بلغان خاتون ایک دو دن اور ٹھہر جاؤ ۔ آج کے چوتھے دن ہلاکوں کی کمک کو چالیس ہزار سپاہیوں کا بڑا بھاری لشکر جانے والا ہے ۔ جس کو طوبیٰ خاں لے جائے گا ۔ اس کے ساتھ تم بھی ہو لینا ۔ یہ لوگ بھی اسی طرف جائیں گے جدھر تم جاتی ہو ۔ بلکہ انھیں تم سے آگے جانا ہے ۔ ہلاکو خاں ولیم کے تخت گاہ پر قبضہ کر چکا ہے ۔ فی الحال اس کا تعاقب کر رہا ہے اس فوج کے پہونچنے کے بعد وہ ارضِ عراق کا عزم کرے گا ۔ اور ارادہ ہے کہ خلیفۂ بغداد کو بھی اس کی سرتابیوں اور غرور کی سزا دی جائے ۔

بلغان خاتون ۔ ایک دو دن کی بات ہے تو میں ٹھہر جاؤں گی ۔

ان تمام امور کا تصفیہ کر کے بلغان خاتون اپنے مکان واپس آئی اور حسین کو بلا کر کہدیا کہ پرسوں کوچ ہے ۔ تیار رہنا ۔ حسین نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اور ادب سے

سر جھکا کر جواب دیا:

"مجھے تو جس وقت حکم ہو حاضر ہوں۔"

دوسری طرف منقو خاں کا بیٹا طوبیٰ خاں بھی کوچ کا سامان کرنے لگا، اور اس کے ساتھ کے لیے چالیس ہزار جوانوں کو تیاری کا حکم دیا گیا۔ آخری رات سپاہیوں نے عجیب ذوق و شوق سے بڑی دھوم دھام میں بسر کی۔ قراقرم کے در و دیوار سے جوش و خروش نمایاں تھا۔ ہر طرف ایک چہل پہل تھی لوگ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے تھے۔ جو اپنے گھروں اور خیموں میں تھے وہ خوشی خوشی اسلحہ بھی درست کرتے جاتے تھے اور عزیزوں، بیوی بچوں سے بھی رخصت ہوتے جاتے تھے۔ صبح سویرے ہی کوچ کا طبل بجا اور تاتاریوں کے غول اپنے اپنے نشانوں اور برقوں کے نیچے جوشِ مسرت میں کودتے اپنے قومی گیتوں کو گاتے اور شور کرتے ہوئے بڑھے۔

یہ فوج مختلف حصّوں میں تقسیم ہو کر روانہ ہوئی۔ ہراول کے پانچ ہزار جوان آگے بڑھ گئے۔ پھر جاں نثاروں کی پانچ پانچ ہزار کی ٹکڑیاں داہنے بائیں پھیل گئیں۔ پانچ ہزار کا ایک گروہ پیچھے غول میں رہا۔ اور درمیان یا قلب میں پورے ۲۰ ہزار ترک جدا جدا فوجوں اور پرچموں میں بٹے ہوئے آگے پیچھے روانہ ہوئے۔ جن کے بیچ میں طوبیٰ خاں اور بلغان خاتون دو مضبوط گٹھے ہوئے ترکی گھوڑوں پر سوار تھے۔ تاتاری کمانیں اور نیزے چاروں طرف سے حلقہ کیے ہوئے تھے اور ہر چہار طرف سے جوش و ولولے کی صدائیں اور فتح و نصرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تاتاریوں کا یہ طوفان ایک ٹڈی دل کی طرح راستہ کی تمام چیزوں کو خراب و تباہ کرتا چلا جاتا تھا۔ جو گاؤں نظر آتا۔ آدمیوں سے خالی ملتا۔ اس لیے کہ ان بیرحم وحشی لٹیروں کی آمد کی خبر سنتے ہی لوگ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ جن کے ویران اور غیر آباد مکانوں میں آگ لگا دی جاتی۔ یہ لوگ جوں جوں آگے بڑھتے شہر اور گاؤں مسمار

و منہدم اور جل جل کر خاک سیاہ ہوتے جاتے۔ رعایا میں سے مرد عورت بوڑھا بچہ جو شخص ملتا اِن انسان کا شکار کھیلنے والے وحشیوں کے ہاتھ سے قتل ہوتا۔ الغرض یہ لوگ تمام علاقہ غزنی و خراسان کو تباہ کرتے ہوئے بحرِ خزر کے کنارے کنارے چلے اور مازندران پہنچے پھر وہاں کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر کے آذربائیجان کی طرف نکل گئے اس لیے کہ ہلاکو خاں کی اسی طرف ہونے کی خبر تھی کیونکہ وہ سلطان دیلم کے تعاقب میں شمال کی طرف زیادہ بڑھ گیا تھا۔

اس وقت یہ پانچ سو تاتاری اس سرزمین پر پہونچے ہیں تو رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی مجبوراً چند روز اسی جگہ فروکش رہنا پڑا جس سے زیادہ کوئی مصیبت تاتاری لشکر کے لیے نہیں ہو سکتی ہے ان لوگوں کا معمول تھا کہ جب تک لوٹتے مارتے رہتے اسی وقت تک اچھے اور خوشحال رہتے اور جہاں کسی جگہ قیام ہو جاتا محض اس وجہ سے کہ نئے شہر اور قصبے لوٹنے کو نہیں ملتے فاقہ کرنے لگتے لیکن یہاں کیا کرتے مجبوری تھی۔ سب نے انتظار کے دن فقر و فاقہ سے بسر کیے نویں دن ٹھیک ۲۷ تاریخ تھی۔ بلغان خاتون صبح ہی سے کسی انتظار میں تھی اور جوں جوں دیر ہوتی اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے تو بڑے پس و پیش کے بعد تین فوجی زبردست جوانوں کو ساتھ لے کر چل کھڑی ہوئی اور حسین اس کا رہبر ہوا باقی تمام ہمراہی وہیں چھوڑ دیے گئے۔ حسین اور تاتاری شاہزادی سڑک چھوڑ کر نہر ویر نجان کے کنارے کنارے چلے اور بدقت و دشواری گھاٹیوں اور جنگلوں سے گزر کر اس مرغزار میں جا پہونچے۔ حسین نے زمرد کی قبر پر جا کر فاتحہ خوانی کی اور کہا یہی پتھر ہیں جن کے نیچے میری زمرّد کا پیکر عنصری آرام کر رہا ہے۔

بلغان خاتون نے زمرد کا خط نکال کر پھر پڑھا اور زمرد کی ہدایت کے موافق قبر کے پتھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ہٹانے لگی چار ہی پانچ پتھر ہٹے ہوں گے

کہ حسبِ وعدہ زمرّد کا دوسرا خط مل گیا، جسے کھول کر اس نے چپکے چپکے پڑھا اور ذرا متردّد ہو کر سامنے کی طرف نظر بڑھا بڑھا کر دیکھنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد کچھ سوچا اور اپنے ایک ہمراہی کے کان میں کچھ کہنے کو جھکی۔ تاتاری سپاہی شاہزادی کا راز سنتے ہی واپس روانہ ہوا۔ اور خود حسین کی طرف دیکھ کر بولی "چلو"

حسین۔ کہاں ؟

بلغان خاتون۔ جہاں میں لے چلوں!۔ اتنا کہتے ہی دونوں باقیماندہ سپاہیوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور چل کھڑی ہوئی۔ حسین کو بھلا کیا مجالِ انکار تھی۔ بے عذر ساتھ ہو لیا۔

بلغان خاتون اس وادی کے شمالی کونے کی طرف چلی۔ اسی طرف جدھر سے حسین نے بھی پریوں کو آتے دیکھا تھا۔ جاتے جاتے تقریباً دو گھنٹہ کے بعد وہ ایک سرسبز پہاڑ کے دامن میں پہونچی اور گو اس طرف کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، مگر وہ برابر بڑھتی چلی جاتی تھی۔ حسین تو ایک عقیدت کیش مرید کی شان سے بے عذر اطاعت کر رہا تھا مگر ہمراہی سپاہیوں کو حیرت تھی کہ شاہزادی انھیں کہاں لیے جاتی ہے بلکہ ایک نے بڑھ کر ادب سے پوچھا کہ ادھر تو راستہ نہیں، جس کے جواب میں بلغان خاتون نے کہا، تم کچھ بولو چالو نہیں خاموشی سے چلے آؤ۔ پہاڑ کی جڑ میں پہونچ کر وہ ایک تیرو تار غار میں گھسی اور ساتھیوں سے کہا "اس طرح چلو کہ کسی کو آہٹ نہ معلوم ہو" شاہزادی کے حکم کے مطابق سب لوگوں نے جہاں تک ممکن تھا۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے چلے۔ غار کے اندر بالکل اندھیرا تھا اور سب ہاتھوں

آخر بلغان خاتون اس غار سے باہر نکلی مگر جب غار سے نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی کچھ کم وحشت ناک نہیں اس لیے کہ یہاں بہت ہی گھنا جنگل تھا جس کے درخت اس طرح ملے اور جڑے ہوئے تھے کہ آفتاب کی روشنی بمشکل زمین تک پہونچ سکتی تھی۔

شاہزادی اس جنگل میں پہونچتے ہی بائیں ہاتھ کی طرف مڑ گئی اب اس کا رُخ مغرب کی طرف تھا اور درختوں میں پھنستی اور کانٹوں میں الجھتی برابر آگے چلی جاتی تھی۔ ساتھ والے اس دشوار گذار راستہ کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور دل میں حیران تھے۔ آخر یہ جنگل یکایک ایک پہاڑ کے پاس ختم ہو گیا جہاں پہونچکر شاہزادی پھر داہنے ہاتھ کی طرف مڑی اور پہاڑ کے دامن ہی دامن میں دور تک چلی گئی ایک مقام پر پہونچ کر اسے نظر آیا کہ جیسے کسی ناگہانی صدمے کے باعث پہاڑ پھٹ گیا ہے اور درمیان میں ایک بہت ہی تنگ اور لمبی گلی پیدا ہو گئی ہے جس سے ایک سے زیادہ آدمیوں کا گزر نہیں ہو سکتا۔

بلغان خاتون نے اس گلی کو غور سے دیکھا چاروں طرف نظر دوڑائی اور جیسے دل ہی دل میں کچھ مطمئن ہو کر اس گلی کے اندر گھسی مگر اندر جانے سے پہلے اس نے ایک اور ہمراہی سپاہی کے کان کی طرف جھک کر کچھ کہا جس کے ساتھ ہی وہ واپس چلا گیا اب شہزادی حسین اور باقیماندہ ایک جوان کو ساتھ لے کر گلی میں داخل ہوئی گلی کے اندر ایک مقام پر ایک کھڑکی ملی جسے شاہزادی نے کھول کر دیکھا تو کپڑوں کا ایک زنانہ جوڑا تھا اور دو مردانے جوڑے جو بالکل دہقانیوں اور گائے بھینس پالنے والے کی وضع کے تھے شاہزادی نے دونوں جوڑے حسین اور دوسرے ساتھی کو دے کر کہا "اپنے کپڑے اُتار کر یہاں رکھدو اور یہ کپڑے پہن لو" یہ کہہ کر وہ خود بھی زنانہ جوڑا پہننے لگی جب سب کپڑے پہن چکے تو

اگرچہ یہاں اندھیرا تھا مگر حسین شاہزادی کی وضع و لباس کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

بلغان خاتون کیوں حسین تعجب کس بات کا ہے۔

حسین۔ کیا عرض کروں، یہ لباس پہن کر تو آپ دنیاوی شاہزادی نہیں آسمانی حور معلوم ہوتی ہیں۔

بلغان خاتون یہ بات سُن کر مسکرائی اور بولی" بس چکے چلے آؤ" اور آگے روانہ ہوئی۔ یکایک معلوم ہوا کہ آرڈی چٹان نے راستہ بند کر دیا ہے۔ بلغان خاتون نے جب مڑ کر دیکھا تو نیچے ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آیا جس میں ایک آدمی بمشکل سمٹ سمٹا کر نکل سکتا تھا۔ اسی سوراخ سے وہ نکلی اور ہمراہیوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا۔ اس دشواری کو جھیل کر شاہزادی آگے بڑھی لیکن اب بظاہر ایک سب سے بڑی مشکل نظر آئی وہ یہ کہ ایک زبردست فولادی دروازہ تھا جو دوسری طرف بند تھا مگر بلغان خاتون نے دروازے کے داہنے بازو کے برابر سے ایک پتھر نکالا جس کے ہٹتے ہی روشندان سا ہو گیا۔ اس روشندان میں ہاتھ ڈال کر اس نے دروازے کی کنڈی کھولی جو اندر سے بند تھی۔ اس کے بعد تاتاری سپاہی اور حسین کی زور آوری سے فولادی پٹ اندر کی طرف ہٹ آیا اور جانے کا راستہ ہو گیا۔

اس دروازے سے نکلتے ہی بلغان خاتون نے حیرت سے دیکھا کہ عجب فرحت بخش اور روح افزا چمن لگے ہوئے ہیں پھولوں کی بہار اور طیور کی نغمہ سنجیاں دیکھتے ہی بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔ واہ! مگر حسین جو اس مقام کو آنکھیں

نظر آئے گا۔ مگر ذرا غور سے دیکھو کیا یہی وہ فردوسِ بریں ہے جس کی تم سیر کر چکے ہو؟" یہ کہہ کر شاہزادی ذرا مسکرائی ۔

حسین ۔ بعینہٖ وہی مقام معلوم ہوتا ہے۔ خداوندا میں خواب دیکھتا ہوں یا بیدار ہوں اور وہاں دیکھیے طیور کے نغمے سے بھی وہی آواز نکلتی ہے۔ السلام علیکم طبتم فادخلوہا خالدین ۔

بلقان خاتون ۔ اس کے کیا معنی ۔

حسین ۔ اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں وعدہ کیا ہے کہ جنّت میں ان ہی الفاظ سے لوگوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر سلام ہو پاک ہو گئے تم لوگ لہٰذا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو۔

حسین نے زبان سے تو یہ جواب دے دیا مگر اس کے دل و دماغ اور اس کی آنکھوں پر ساعت بساعت زیادہ حیرت مستولی ہوتی جاتی تھی۔ وہ ہر چیز کو گھبرا گھبرا کر دیکھتا اور بار بار کہہ اٹھتا یا تو میں آسمان پر پہنچ گیا یا فردوسِ بریں نیچے اتر آئی۔ یہ تو بعینہٖ وہی باغ ہے جس میں زمرّد کے ساتھ سیر کرتا پھرتا تھا۔

بلغان خاتون۔ فردوسِ بریں میں تو تم پہنچ گئے۔ اب مطمئن رہو زمرّد سے بھی ملا دوں گی ۔

حسین کو جنت میں پہونچ جانے کا تو یقین ہو گیا تھا۔ شاہزادی کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا "آپ نے اس راہ میں رہبری کی ہے۔ مجھے اب شیخ علی وجودی سے دستگیری کی امید نہ تھی یہ احسان ہمیشہ لوحِ دل پر نقش رہے گا۔

بلغان خاتون ۔ (حسین کو زمین سے اٹھا کر) ذرا صبر تحمّل سے کام لو، زمرّد سے ملنے کے لیے شرط ہے کہ چپکے سے ساتھ ساتھ چلے چلو ایسا اضطراب کرو گے

تو کام بگڑ جائے گا۔ یہ کہہ کر شاہزادی نے پھر زمرد کا خط نکال کر پڑھا اور دونوں ہمراہیوں کو ساتھ لیے ہوئے ایک جانب چل کھڑی ہوئی اور چند منٹ میں وہ قصروں اور کوشکوں کے قریب تھی۔

حسین اس نظر فریب سین کو کھڑا نہایت ہی حیرانی واز خود رفتگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا ناگہاں ایک حسین و نازنین عورت شاہزادی کے سامنے آئی اور اس کے پاؤں چومنے کو جھکی۔

بلغان خاتون۔ تم کون ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی حسین کی نظر جا پڑی، ایک بے اختیاری و خود فراموشی کے جوش میں اس کی زبان سے نکلا "زمرد" اور دوڑ کر لپٹ گیا۔

زمرد (حسین کو اپنے سے علیحدہ کر کے) ذرا صبر کرو پہلے مجھے شاہزادی کے سامنے اپنی احسانمندی ظاہر کرنے دو۔

بلغان خاتون۔ تو تم ہی زمرد ہو۔ یہ کہہ کر اس نے زمرد کو گلے سے لگا لیا اور بولی بہن میرا احسان کیا ہے۔ ہاں تمہاری البتہ انتہا سے زیادہ شکر گزار ہوں اگر تم مدد نہ کرتیں تو مجھے غم و الم سے کبھی نجات نہ ملتی۔

زمرد۔ (مسکرا کر اور کسی قدر ندامت سے) مگر شاہزادی اس میں میری خود غرضی بھی تو تھی۔

بلغان خاتون۔ اسے خود غرضی نہ کہنا چاہیے یہ اس سادہ لوح نوجوان پر تمہارا احسان ہے کہ اپنی محبت سے عزت بخشی ہے اور اتنے بڑے اور اس قدر گہرے فریب سے نجات دلائی۔ اس کے بعد زمرد حسین کی طرف متوجہ ہوئی اور پوچھا اب تو تم پر سارا راز کھل گیا۔

حسین۔ راز کیسا۔ میں نے تو شاہزادی کے حکم کی اطاعت کی اور صرف

اس وجہ سے کہ تمہاری ہدایت تھی ۔

بلغان خاتون ۔ نہیں ابھی میں نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نہ تمہارا کوئی خط دکھایا ہے مگر جب یہ باغ میں داخل ہوئے ہیں انتہا سے زیادہ پریشان و بدحواس ہیں ۔ اب اپنے ساتھ لے جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ ۔ کہ یہ وحشت ذرا دور ہو اور آدمی بنیں ۔

زمرّد ۔ افسوس غلطی میں یہ ایسے ایسے کام کر چکے ہیں کہ اطمینان تو انھیں بڑی مشکلوں سے نصیب ہوگا ۔

بلغان خاتون ۔ لیکن اب یہی مصلحت ہے کہ انہیں اپنے قصر میں لے جاؤ اور کوشش کرو کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اٹھ جائے ۔ مگر ہاں پہلے مجھے یہ بتا دو کہ یہاں کسی کا خوف تو نہیں ۔ تمہارے لکھنے کے مطابق میں آنے کو تو چلی آئی مگر اندیشہ ہے کہ کوئی برائی نہ اٹھ کھڑی ہو ۔

زمرّد ۔ شاہزادی آپ مطمئن رہیے ۔ کسی بات کا اندیشہ نہیں آج شام تک آپ یہاں بے کھٹکے رہ سکتی ہیں مگر وہ جو میں نے لکھا تھا اس کا بھی بندوبست آپ نے کر لیا ہے ۔

بلغان خاتون ۔ سب سامان کر چکی ہوں ۔ اگرچہ اس کے متعلق ذرا تردّد ہے ۔

زمرّد ۔ وہ کیا ؟

شاہزادی ۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں ۔ اس کو پھر بیان کروں گی ۔ یہ کہہ کر اس نے باقی ماندہ جوان کو بھی جو ساتھ آیا تھا کچھ کان میں کہہ کر واپس بھیجا اور زمرّد سے پوچھنے لگی " یہ بتاؤ قلعہ پر کدھر سے حملہ ہو سکتا ہے ؟ "

زمرّد ۔ آپ قلعہ میں ہی ہیں مگر اتنا حصّہ قلعہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اگرچہ

غیر لوگ یہاں نہر دیر نجان کے ذریعے سے اور بیرونی دیوار کے نیچے سے نکال کے لائے جاتے ہیں مگر اسی نہر کے اس طرف خورشاہ کا محل ہے۔

حسین۔ (چونک کر) خورشاہ کا محل۔ وہ یہاں کہاں وہ تو قلعہ التمونت میں ہے۔

بلغان خاتون۔ (ہنس کر) اب انھیں ان کے اس قصر دری میں وہیں پہنچا دو جس کے دیکھنے کا انہیں شوق ہوگا۔ باقی پھر آ کر کرنا۔ یہ اگر یہاں موجود رہے تو بات بھی نہ کرنے دیں گے۔

زمرّد۔ بے شک شاہزادی آپ بجا فرماتی ہیں۔ انہیں وہاں بٹھا کر ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے حسین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جو ایک خود فراموشی کے عالم میں کھڑا تھا اور شاہزادی کو تنہا چھوڑ کر اسے کھینچتی ہوئی اپنے قصر دری میں لے گئی۔ حسین راستہ بھر اس سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا مگر زمرد نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا کہ پھر بتا دوں گی اور اسے قصر میں بٹھا کر شاہزادی کے سامنے واپس آئی اور ادب سے کھڑی ہو گئی۔

بلغان خاتون۔ ہاں تو وہ خورشاہ کے محل کو یہاں سے راستہ گیا ہے۔

زمرّد۔ جی ہاں۔ وہ روز یہاں آ کر عیش و عشرت میں مشغول ہوا کرتا ہے۔ آپ اس راستہ سے اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ بآسانی پہنچ جائیں گی۔ پہلے نہر کا سنہرا پل ہے اس سے اُترتے ہی آپ کو ایک راستہ ملے گا جو سیدھا خورشاہ کے حرم سرا کو گیا ہے جس میں داخل ہوتے ہی آپ سمجھ لیجیے کہ التمونت کے قلعہ میں پہنچ گئیں اور آج عید کا دن ہے اور معمول ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص نہ جنت میں لایا جاتا ہے اور نہ خود خورشاہ آ سکتا ہے اس لیے کہ اس علاقے کے تمام معزز اور مقرب لوگ اور نیز دور دور کے سربرآوردہ نقیب امام کی زیارت کو آتے ہیں۔

اور قلعہ میں عام معتقدین کا بڑا بھاری مجمع رہتا ہے۔اسی خیال سے میں نے آپ کو رمضان کی ، ۲ تاریخ کو بلایا ہے کیونکہ اس دن لازمی طور پر یہ باغ غیروں سے خالی رہتا ہے اور خود خورشاہ کو بھی تین چار دن تک یہاں آنے کی فرصت نہیں ملتی اگر اور کوئی زمانہ ہوتا تو اب تک آپ کے آنے کا حال قلعہ میں معلوم ہو گیا ہوتا۔

بلغان خاتون۔ تو ابھی تک کسی کو ہمارے آنے کی خبر نہیں۔

زمرّد۔ بالکل نہیں،اول تو یہاں کوئی مرد نہیں جو لوگوں کو خبر کر کے لڑائی کا سامان کرے اور شاید کوئی عورت بھاگ کر چلی بھی جاتی مگر میں نے آج صبح سے شہر کے پل کے پھاٹک میں قفل لگا دیا ہے۔ اور کنجی میرے پاس ہے لہذا ممکن نہیں کہ کوئی بھاگ کر قلعہ میں جا سکا ہو۔ اور لطف یہ کہ ان دنوں ادھر سے بھی کوئی آنے والا نہیں۔

بلغان خاتون۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔تم کہتی ہو۔آج عید ہے جبکہ قلعہ میں خوشی کا جوش و خروش ہوگا۔پس کوئی فکر نہیں آج شام سے پہلے ہی ہمارا حملہ ہو جائے گا۔مگر زمرّد مجھے ایک بات کا تردّد ہے جس فوج کو میں نے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اس کا ابھی تک پتہ نہیں میرے ہمراہ صرف پانچسو سپاہی ہیں جو شاید کافی نہ ہو سکیں۔

زمرّد۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ پانچسو جوان بھی قلعہ پر ادھر سے جا کر قبضہ کر لیں گے۔

بلغان خاتون۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہماری کمک آئے گی ضرور صرف شام تک کی مہلت چاہیے۔

زمرّد۔شام کیا معنی۔ آپ کل تک یہاں یونہی مخفی رہ سکتی ہیں کوئی اندیشہ کا مقام نہیں،پس جب تک وقت آئے یہاں آرام فرمائیے۔آپ تھک بھی گئی ہوں گی

ستانے کے لیے اچھی مہلت مل گئی۔ اس کے بعد شاہزادی نے پوچھا: "اور زمرّد یہ لباس جو تم نے میرے اور دونوں ساتھیوں کے لیے تجویز کیا اس میں کیا مصلحت تھی"؟

زمرّد۔ شاہزادی آپ کا لباس تو وہی حوروں کا لباس ہے جس کو لوگ یہاں حلۂ جنت سمجھتے ہیں، اس لباس کی وجہ سے کسی کو آپ پر بدگمانی نہیں ہو سکتی۔

بلغان خاتون۔ شاید اسی لیے مجھے یہ کپڑے پہنے دیکھ کر حسین نے کہا تھا کہ "آپ حور معلوم ہوتی ہیں"۔ یہ جملہ سن کر زمرد بہت ہنسی اور بولی "۔ مگر اپنے لباس کے متعلق انھوں نے کچھ نہ کہا۔

بلغان خاتون۔ اور ہاں مردوں کے لیے ایسا بے ہودہ لباس تم نے کیوں تجویز کیا۔

زمرّد۔ اس لیے کہ مردوں میں یہاں عام طور پر وہی دودھ والے آیا کرتے ہیں جو یہاں کی نہروں اور حوضوں میں دودھ اور شراب بھرتے ہیں اگر کوئی مرد اس لباس کو پہنے ہوئے یہاں آئے تو کسی کو خیال بھی نہ ہوگا کہ کوئی غیر ہے۔

بلغان خاتون۔ مگر ایسا نہ ہو کہ کسی کو خبر ہو جائے اور قبل از وقت راز کھل جائے۔

زمرد۔ کسی کو خبر نہ ہوگی۔ آپ شوق سے یہاں فروکش ہوں عید کے دن کسی کو یہاں آنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

بلغان خاتون۔ بہتر تو میں یہیں ٹھہر جاؤں گی مگر مجھے چل کر ذرا جنت کی سیر کرا دو اور پل سڑک بھی دکھا دو تاکہ راستہ خوب پہچان لوں۔

زمرّد۔ چلیے۔

اس تجویز کے بعد دونوں حسین و نازنین عورتیں قصروں اور کوشکوں کی سیر کرتی اور باغوں اور چمنوں کی بہار دیکھتی ہوئی اس بڑی نہر کے کنارے پہونچیں جس کے راستے سے لوگ سونے کی کشتی میں بٹھا کر جنت کے اندر لائے جاتے تھے۔

اس کے سنہرے پل کے پھاٹک میں قفل لگا ہوا تھا جسے زمرد نے کھولا اور دونوں لڑکیاں دوسری وادی کے میدان میں اتریں۔ ادھر بھی ایک پھولوں کا مسطح تختہ دور تک پھیلا ہوا تھا اور درمیان سے ایک سڑک گذری تھی جو تھوڑی دور تک کھلی فضا میں جا کر بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہو گئی تھی۔ انھیں درختوں کے اس طرف حرم سرا کا راستہ تھا۔ یہ دلچسپ سیر کر کے شاہزادی واپس آئی اور زمرد کے انتخاب کے مطابق عالیشان فیروزہ کے کوشک میں جا کر فروکش ہو گئی۔ زمرد دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی اور جب دیکھا کہ شاہزادی بلغان خاتون لیٹ کر آرام کیا چاہتی ہے تو اس سے رخصت ہو کر دروازہ اندر سے بند کرا دیا اور اپنے قصر کی طرف روانہ ہوئی۔

آٹھواں باب

افشائے راز

حیرت زدہ و حواس باختہ نوجوان حسین کو زمرد، شاہزادی کی تجویز کے مطابق قصر دری میں چھوڑ کر واپس گئی تو وہ گھبرا کر ایک ایک چیز کو دیکھتا اور اپنے دل سے پوچھتا تھا کہ کیا حقیقت میں وہی مقام ہے جہاں امام قائم قیامت کی مدد سے آیا تھا۔ مگر وہ تو ملاء اعلیٰ پر تھا۔ اور یہ زمین ہی پر ہے لیکن کیونکر شک کیا جائے۔ خود زمرد بھی تو موجود ہے اگر یہ کوئی دنیاوی باغ ہے تو وہ کیونکر چلی آئی۔ خود اسی نے لکھا کہ جنت میں ہوں اور فردوسِ بریں کی سیر کر رہی ہوں۔ آخر اسے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ اس کے بعد وہ محل کے برآمدے پر جا کھڑا ہوا۔ اور ہر ایک عمارت اور ایک ایک چمن کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ ہر چیز وہی اور ویسی ہی تھی جیسی کہ پہلے نظر سے گزری تھی۔ قصروں کے رد کار پر اسی طرح جواہرات جڑے تھے۔ ان کی وضع بھی ویسی ہی تھی۔ چمنوں کا وہی رنگ اور وہی نقشہ تھا۔ سڑکیں اور روشیں بھی اسی طرح رنگ برنگ اور نظر فریب تھیں۔ سونے چاندی کے تخت و تاج بھی اسی پہلی شان سے تھے۔ نہریں بھی اسی طرح مستانہ روی سے بہہ رہی تھیں۔

ہاں صرف ایک چیز کی کمی تھی وہ یہ کہ وہ وجد میں لانے والا گانا نہ تھا مگر جب طیور کی زبان سے وہی قرآنی ترانۂ خیر مقدم سن لیا تو ادھر سے بھی شک جاتا رہا، وہ اسی پس وپیش میں تھا کہ ایک طائر نے ایک تازہ اور شاداب سیب اپنی چونچ میں لاکر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اور چونک کر بول اٹھا یہ بھی خاص فردوسِ بریں کی علامت ہے۔

حسین کے خیالات میں ایک عجیب قسم کا تردّد واضطراب تھا اور یہ معمہ کسی طرح حل ہونے نہ پایا تھا کہ سامنے سے زمرّد نظر آئی جو شاہزادی سے رخصت ہو کر اس کے پاس آرہی تھی، اس کی دلربا اور ناز آفریں صورت دیکھتے ہی وفورِ جوش سے حسین کا دل دھڑکنے لگا اور عشق کے جذبات نے یک بیک بے اختیار حالت طاری کی کہ برآمدے سے اتر کر استقبال کو دوڑا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

حسین۔ پیاری زمرّد للّٰہ بتاؤ کہ میں کس عالم میں ہوں اور یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔

زمرّد۔ (مسکرا کر) وہی دیکھ رہے ہو جو ایک دفعہ دیکھ چکے ہو۔

حسین۔ یعنی وہی ملاءِ اعلیٰ پر ہوں۔

زمرّد۔ واقعی جو ساز و سامان نظر آرہا ہے۔ اس کے لحاظ سے اس جگہ کو ملاءِ اعلیٰ ہی کہنا چاہیے۔

حسین۔ کہنا چاہیے؟ تو کیا اصل میں نہیں؟

زمرّد۔ تم اپنے دل سے پوچھو تم نے اس مقام کو زمین پر پایا یا آسمان پر۔

حسین۔ آیا تو زمین ہی کے راستے سے ہوں۔

زمرّد۔ تو زمین ہی پر سمجھو۔

حسین مگر کیونکر سمجھوں تمہاری قبر۔ تمہارے وہ خطوط یہاں تک آنے کے وہ گز مخفی ذریعے۔ ان تمام باتوں میں سے جس چیز کا خیال کرتا ہوں اس امر کی تصدیق

ہوتی ہے کہ یہ کوئی اور عالم ہے اور یہاں کی مسرتیں دنیاوی مسرتوں سے بالا ہیں۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں قصر میں داخل ہوئے اور زمرد نے کہا۔ "یہاں کی مسرتیں تو بے شک دنیا کی عام مسرتوں سے بالا ہیں مگر یہ نہ سمجھو کہ تم دنیا سے نکل کر کسی اور جگہ آ گئے ہو۔"

حسین۔ پھر وہ سب واقعات جو گزر چکے ہیں ان کی نسبت کیا خیال کروں۔

زمرد۔ سب میری مجبوری۔ میری بے دست و پائی اور تمہاری سادہ لوحی کا نتیجہ ہے۔

حسین۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

زمرد۔ گھبراؤ نہیں سب سمجھ جاؤ گے مگر افسوس جس قدر زیادہ سمجھو گے اسی قدر زیادہ پریشان ہو گے اور اپنے کیے پر پچھتاؤ گے۔

حسین۔ زمرد اب مجھے تیری صورت پر بھی شبہہ معلوم ہوتا ہے۔ تو وہی زمرد ہے جو میرے ساتھ آ مل سے آئی تھی؟۔

حسین کی زبان سے یہ سادگی کا سوال سن کر زمرد کو ہنسی آئی۔ مگر ضبط کیا اور ایک عجیب دلفریب ادا کے ساتھ پر معنی اور شوخ چتونوں سے دیکھ کر بولی "نہیں دوسری ہوں۔"

اس جواب کو حسین نے سنا ہی نہیں اس نے زمرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور غور سے دیکھ کر بولا۔ یہ وہی نورانی جسم ہے یا میرے ہی جسم کا سا مادی پتلا؟۔

زمرد۔ ہوش کی باتیں کرو۔ تم بالکل از خود رفتہ ہوئے جاتے ہو اور تمہاری آنکھوں کے سامنے سے ایک بہت بڑا طلسم ٹوٹتا ہے جس کے اثر سے تمہارے حواس ٹھکانے نہیں رہے ذرا ہوش میں آؤ اور حواس کی باتیں کرو کہ سارا راز تمام سرگزشت بیان کروں۔

حسین ۔ پیاری زمرّد! جلدی بیان کرو۔ اس لاعلمی اور ناواقفی نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔

زمرّد۔ سنو! اس وادی میں ہم دونوں نے جن پریوں کو دیکھا تھا۔ وہ پریاں نہ تھیں۔ بلکہ اسی مصنوعی جنت کی حوریں تھیں۔

حسین۔ (حیرت سے بات کاٹ کر) مصنوعی جنت! یہ وہ جنت نہیں ہے، جس کا وعدہ مومنین سے کیا گیا تھا؟

زمرد۔ ذرا صبر کرو۔ خیر تم وہاں بے ہوش ہو گئے۔ اور مجھے وہ یہاں پکڑ لائیں نہ میں ماری گئی نہ شہید ہوئی۔ مگر صرف اس لیے کہ تم کو میرے مرنے کا یقین آ جائے انھوں نے واپسی سے پہلے بھائی کی قبر میں ذرا تغیر پیدا کیا اور اسی وقت رات کو مجھ سے پوچھ کر بھائی کے نام کے برابر میرا نام بھی کندہ کر دیا۔ اس سے غرض صرف یہ تھی کہ تم مجھ سے مایوس اور میرے خیال سے دست بردار ہو کر چلے جاؤ۔ اس وادی کی خطرناک حالت ہر ملنے والے سے بیان کرو۔ اور یہاں کی پریوں کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بٹھا دو۔

حسین۔ تو تم زندہ ہو! ۔ یہ کہا اور زمرد کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھنے لگا۔

زمرد۔ (جھنجھلا کر) نہیں چڑیل ہو گئی ہوں۔ حسین نے کچھ اس کا جواب نہیں دیا اور زمرد نے ایک لمحہ توقف کر کے پھر سلسلۂ کلام شروع کیا "تو تم کو یہ دھوکا دیا گیا اور میں یہاں پر لانے کے بعد انھیں عورتوں میں شامل کر دی گئی جو یہاں حوریں کہلاتی ہیں چند روز بعد دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تم اسی طرح میری قبر کے مجاور بنے بیٹھے ہو اور جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ آخر یہاں غور کیا گیا کہ وہ وادی تم سے کیونکر خالی ہو۔ اکثروں کی رائے تھی کہ قتل کر

ڈالنا چاہیے مگر اتفاق سے میری ایک تدبیر کارگر ہوگئی۔ اور تجویز قرار پائی کہ کسی ایسے طریقے سے تمہیں وطن جانے کی ہدایت کی جائے کہ کسی کا لگاؤ ثابت نہ ہو۔ اور تم بغیر اس کے کہ کسی قسم کی بدگمانی کرو وہ وادی چھوڑ دو۔ اسی تجویز کا نتیجہ میرا پہلا خط تھا، جس میں تم سے میری وصیت پوری کرنے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ وہ خط میرے ہی ہاتھ سے لکھوایا گیا۔ اور مجھ سے حالات دریافت کر اس کے مضمون کا مسودہ تیار کیا گیا۔ مگر حسین وہ خط صاف کرتے وقت میں چپکے چپکے بہت روئی تھی۔ اس لیے کہ جانتی تھی خود اپنے ہاتھ سے دائمی مفارقت کا سامان کر رہی ہوں۔ خیر وہ خط تمہارے پاس گیا مگر تین چار دن بعد جب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی تم اسی طرح بیٹھے ہو اور گویا تمہارے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

حسین۔ بے شک نہیں ہوئی تھی زمرد میں مرجاتا اور وہاں سے نہ ہٹتا۔

زمرد۔ جب یہ معلوم ہوا تو لوگوں کو پھر فکر پیدا ہوئی۔ کئی مرتبہ خود مجھ سے کہا گیا کہ یہ تدبیر بے سود ہوئی اب کیا کیا جائے۔ اب کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہ آتی تھی۔ اور دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ غضب نہ ہو کہ لوگ تمہارے مار ڈالنے پر آمادہ ہو جائیں اتفاقاً انھیں دنوں میں خبر آئی کہ امام نجم الدین نیشاپوری باطنین کے خلاف وعظ کہہ رہے تھے اور تدبیریں کی جا رہی تھیں کہ کسی فدائی کے ہاتھ سے وہ قتل کرا دیے جائیں۔ کمبختی یا شامتِ اعمال سے میری زبان سے نکل گیا کہ تمہارے چچا اور تمہارے استاد و مرشد ہیں۔ یہ خبر جیسے ہی یہاں کے بادشاہ خورشاہ کے کان میں پہونچی اس نے خیال کیا کہ وہ امام عالی مقام تمہارے ہاتھ سے قتل ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح زمانے بھر کو معلوم ہو جائے گا کہ مذہب باطنیہ دلوں پر کس قدر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ انسان اپنے عزیز و اقارب، استاد و مرشد تک کی پروا نہیں کرتا۔ تمہارے خنجر سے ان کا قتل ہونا ایک ساتھ ان باتوں کا ثبوت

دے سکتا تھا کہ بھتیجے نے چچا کو، شاگرد نے استاد کو، مرید نے مرشد کو بلا تامل ثواب سمجھ کر قتل کر ڈالا۔

زمرد نے یہاں تک کہا تھا کہ حسین نے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لی اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"افسوس میں نے شفیق بزرگ اور خدا شناس مرشد پر کتنا ظلم اور گناہ کیا۔ ایسے معصوم امام، شفیق بزرگ اور خدا شناس مرشد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ زمرد یہ تیرے ہی شوق میں اور تیری ہدایت کی وجہ سے تھا۔ ورنہ میں اتنے بڑے ظلم کی ہرگز جرأت نہ کرتا۔

زمرد۔ حسین میں نے پہلے یہی کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں کہ اس گناہ میں مجھے نہ شریک کرو۔ مجھے جب اس کا خیال آجاتا ہے کانپ اٹھتی ہوں۔ مگر خیر اس ذکر کو جانے ہی دو۔ ایک ہونے والی بات تھی جسے کوئی نہ روک سکتا تھا۔ میں نے اگر تمھیں اس کام کے لیے تیار کیا تو میں اپنے بس میں نہ تھی اور تم اگر آمادہ ہو گئے تو تم اپنے ہوش میں نہ تھے۔

حسین (زور سے سینہ پیٹ کر) مگر افسوس زمرد! یہ عذر خدا کے سامنے نہ کیے جائیں گے۔ میں نہ ہوش میں تھا نہ بے ہوش۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ایک گناہ عظیم کر رہا ہوں مگر تیرا شوق بار بار دل کو ابھار کر آمادہ .....

زمرد۔ (بیتابی سے بات کاٹ کر) ہائے پھر میرا نام! خدا کے لیے حسین مجھے اپنے ساتھ نہ لے جاؤ (اور آنسو بہا کر) میں نے جو کچھ کیا ہے مجبوری اور بے بسی سے۔ افسوس خود اپنے دل سے تو لعنت کی آواز سن رہی تھی اب تمہاری زبان سے بھی وہی سنتی ہوں۔

یہ کہہ کر زمرد زار و قطار رونے لگی حسین نے بے اختیاری کے ساتھ جلدی

سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا "زمرد! بے شک تو بے خطا ہے اگر میں نے تیرا دل دکھایا تو معاف کر اور آگے بتا پھر کیا ہوا"

زمرد۔ (رومال سے آنسو پونچھ کر) پھر تم کو دوسرا خط ملا۔ جس میں تمہیں کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تہہ خانے میں چلّہ کشی کرنے اور پھر حلب میں جا کر شیخ علی وجودی سے ملنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ وہ خط بھی اسی طرح بھیجا گیا کہ اس کا مسودہ لکھ کر مجھے دیا گیا اور جب میں نے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا تو میری قبر پر رکھوا دیا گیا۔

حسین۔ لیکن اگر اتنا ہی کام تھا کہ امام نجم الدین نیشاپوری قتل کر ڈالے جائیں تو مجھے اتنے چکر کیوں دئے گئے اور میرے راستے میں یہ بے کاری کی دشواریاں کیوں پیدا کی گئیں؟

زمرد۔ اس لیے کہ تمہارے شوق میں ہیجان اور بے صبری پیدا ہو۔ اگر بغیر اتنے چلّے کھنچوائے اور بغیر علی وجودی کے پاس ایک سال تک انتظار کرائے کہدیا جاتا تو تم اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے۔

حسین۔ زمرد تیرا شوق میرے دل میں اس قدر تھا کہ جس کام کو کہا جاتا اسی وقت پورا کرنے کو تیار ہو جاتا۔

زمرد۔ خیر تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے بے وقوف ہو۔ اور تمہارے اخلاق اس قدر کمزور ہیں۔

حسین۔ مگر کیونکر کہوں زمرد! مجھے تیری باتوں کا یقین نہیں آتا۔ ان آنکھوں سے ایسی ایسی کرامتیں اور عقل انسانی سے اس قدر بالا باتیں دیکھ چکا ہوں کہ ان لوگوں کی خداشناسی سے انکار کرنے کی کسی طرح جرأت نہیں ہوتی جن گدھوں پر ہم دونوں سوار ہو کر یہاں آئے تھے وہ تو مر چکے تھے مگر مجھے ایک نیا نیا تازہ دم

گدھا اسی درخت میں بندھا ملا۔ اور ایسا خوب صورت، توانا و تندرست اور تیز رو کہ اس وقت تک میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری سواری کے لیے خاص خدا کے پاس سے آیا تھا۔

زمرد۔ وہ گدھا یہیں سے بھیجا گیا تھا جس وقت وہ تمہارے نام کا خط قبر پر رکھوا دیا گیا ہے اسی وقت وہ گدھا ایک دوسرے راستے سے بھیج کر اس درخت سے بندھوایا گیا تھا۔

حسین نے اس جواب کو حیرت سے سنا اور بولا "عجیب! مگر پھر بھی میرے شبہات نہیں دور ہوتے۔ آخر شیخ وجودی کو میرے سب حالات کیونکر معلوم ہو گئے۔ وہ یہاں سے ہزار کوس کے فاصلہ پر ہیں۔

زمرد۔ تمہارے روانہ ہونے کے ساتھ ہی ان کو تمام واقعات کی خبر دی گئی تھی ان کو لکھ کر بھیجا گیا تھا کہ امام نجم الدین کے بھتیجے شاگرد اور مرید ہو۔ انھیں کے قتل کا کام تم سے لینا ہے اور وہاں پہونچنے سے پہلے تم کو وہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تہہ خانے میں چلہ کھینچو گے۔ یہ سب باتیں ان کو دوسرے ذریعہ سے معلوم ہو چکی تھیں مگر انھوں نے غیب دانی اور کرامت کی شان سے بیان کر کے تمہیں اپنا فریفتہ بنا لیا۔

حسین نہایت متعجب تھا۔ وہ حیرت کے دریا میں غرق تھا۔ اور کسی طرح رہائی نہ ملتی تھی۔ زمرد اپنی بات پوری کر کے خاموش ہو گئی اور وہ سوچ میں پڑا تھا کہ آخر اس نے سخت حیرت زدگی کی شان سے آنکھیں اٹھا کر دیکھا اور کہا۔ زمرد! سچ بتا یہ سب باتیں تو سچ کہہ رہی ہے یا مجھے دھوکا دے رہی ہے۔ مجھے تو اپنی تمام گذشتہ زندگی ایک خواب سی معلوم ہوتی ہے، متردد ہوں کہ تیری اُس ملاقات اور ان سب باتوں کو خواب سمجھوں یا ان تمام واقعات کو جو تجھ سے جُدا ہونے

کے بعد پیش آئے۔ کیا حقیقت میں اتنا بڑا بے وقوف ہوں کہ ایسے عظیم الشان فریب اور چھل میں مبتلا ہو گیا لیکن زمرد اگر یہ سب سکھائی پڑھائی باتیں تھیں تو علی وجودی کو اسی قدر حال معلوم ہوتا جس قدر کہ یہاں بتایا گیا تھا۔ یہ کیوں کر معلوم ہو گیا کہ میں شہر خلیل کے مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اور باطنین کے ناگہانی آ پڑنے سے چھوڑ کر بھاگا۔

زمرّد۔ حسین تم حقیقت میں بڑے سادہ لوح ہو۔ اس کا سبب میں بغیر جانے سمجھ گئی اور تم نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت تم مجبور ہو تمہارے دل و دماغ پر ہر طرف سے اتنا اثر ڈالا گیا کہ بمشکل ان باتوں کو اپنے دماغ سے نکال سکتے ہو۔ تم کو نہیں معلوم کہ باطنین دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی سازشوں کا جال ہر گاؤں اور چھوٹے چھوٹے قصبے تک پڑا ہوا ہے۔ علی وجودی کے ساتھ تم پورے ایک سال رہے ممکن نہیں کہ اس کا حال تمھیں نہ معلوم ہو گیا ہو۔

حسین۔ ہاں میں نے البتہ یہ دیکھا کہ ان کے معتقد تمام اطرافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر سال میں ایک دفعہ ان کی زیارت کو بھی آتے ہیں اور مجھے یہ بھی نظر آیا کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر اور صرف رات کو مل کر چلے جاتے ہیں۔

زمرّد۔ اسی سے سمجھ سکتے ہو کہ ان کے کان میں خبریں پہنچنے کے کتنے بڑے ذریعے موجود ہیں تم نے جس وقت اس وادی کو چھوڑا تھا۔ اُس وقت سے آخر ورودِ حلب تک ہر منزل اور ہر مقام پر تمہاری نگرانی ہوتی ہو گی۔ اور تمھاری روز روز کی خبر علی وجودی کو پہونچتی ہو گی۔ کچھ تم ہی پر منحصر نہیں ان باطنین کے پنجے میں جو شخص پڑتا ہے اسی طرح نظروں میں رکھا جاتا ہے۔ پھر کون

تعجب کی بات تھی اگر تمہاری شہر خلیل میں گرفتاری کا حال معلوم ہوگیا۔

حسین۔ مجھے اس پر حیرت نہیں، حیرت کی تو یہ بات ہے کہ شیخ کہتے تھے انھیں کے اشارے سے باطنین نے حملہ کر کے مجھے قید سے آزاد کرایا۔

زمرد۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بے شک اسی وجودی نے تمہارے چھڑانے کے لیے اپنے معتقدوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہوگا۔

حسین۔ مگر کیونکر حکم دے دیا ہوگا پیری گرفتاری کی خبر پہونچے اور وہاں سے حملہ کا حکم آنے میں بھی تو آخر کچھ زمانہ لگتا وہاں تو یہ واقعہ پیش آیا کہ جس رات کو میں نکلنے والا تھا میرے باہر آنے سے پیشتر ہی خلیل کا حاکم باطنین کے ہاتھ سے قتل ہوا اور پھر میں گرفتار ہوا۔ تو اس کو پورا ایک دن نہیں گزرنے پایا تھا کہ ان کا ایک بڑا گروہ شہر میں آ پڑا۔ اِن تمام باتوں کی تکمیل اتنی جلدی کیونکر ہو سکتی ہے۔

زمرد۔ (ذرا تامل کر کے) یہ کون مشکل ہے۔ باطنین کو معلوم ہوگا کہ تم کس روز تہہ خانے میں اترے تھے اور کس روز نکلو گے یہ مشکلات ضرور پیش آئیں گی۔ اس زمانہ میں انھوں نے شیخ علی وجودی کو خبر کر کے مدد کا اشارہ پا لیا ہوگا۔ اسی کے مطابق دن گنتے رہے اور ٹھیک چالیسویں دن جس دن تم نکلنے والے تھے انھوں نے رئیس شہر کو قتل کر ڈالا کہ لوگ دوسری فکر میں رہیں اور تم چپکے سے نکل کر بھاگ جاؤ مگر جب انھیں خبر پہونچی کہ اس رئیس کے قتل سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور تم مجاوروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تو انھوں نے حملہ کر کے شہر میں کھلبلی ڈال دی اور تمہیں چھوٹ کر بھاگ جانے کا موقع مل گیا۔

حسین۔ (زور سے آہ سرد بھر کر) تو زمرد افسوس یہ سب جھوٹ تھا۔ شیخ علی وجودی کا سا شخص اور اتنا بڑا مکار! کیونکر کہوں؟ زمرد ان کرامتوں اور اس غیب دانی کے علاوہ ان کا علم و فضل اس پائے کا ہے اور ان کے ہر ہر لفظ

سے ایسی خداشناسی اور آشنائے رموزِ وحدت ہونے کی بو آتی ہے کہ چاہتا ہوں مگر ان پر بدگمانی کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اتنا بڑا عالم وفاضل، ایسا نکتہ سنج دقیقہ رس، اور اتنا بڑا فریبی؟ میں امام نجم الدین کی صحبت میں رہ چکا ہوں مگر پیاری زمرد سچ کہتا ہوں کہ جو بات مجھے شیخ علی وجودی میں نظر آئی اور جس آسانی سے وہ دل کے شکوک رفع کر دیتے ہیں۔ امام نجم الدین میں اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔

زمرّد۔ بے شک ایسا ہی ہوگا مگر بات یہ تھی کہ امام نجم الدین جو دل میں آتا ہوگا سادگی اور بے تکلفی سے کہہ گذرتے ہوں گے۔ انھوں نے اپنے بتانے اور اپنا اثر ڈالنے کی کبھی کوشش نہ کی ہوگی اور شیخ علی وجودی کا ہر نقطہ بنا ہوا اور دل پر اثر ڈالنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے ہر فقرے میں پوری ریاکاری ہوتی ہے۔ جھوٹ اور سچ میں یہی فرق ہے اور اسی سبب سے ہمیشہ قاعدہ ہے کہ ایک فریبی کی باتیں ایک راست باز اور سادہ مزاج شخص کی باتوں سے زیادہ دل چسپ اور زیادہ دل نشین ہوا کرتی ہیں۔ یقین ہے کہ شیخ علی وجودی سے مل کر تم کو خداشناسی کا بہت عمدہ سبق مل گیا ہوگا۔

حسین۔ (زور سے سینے پہ ہاتھ مار کر) ہاں خوب سبق ملا۔ مگر ٹھیک اس وقت جبکہ پورا جادو اثر کر چکا۔ اور میں ساری دنیا سے زیادہ ظالم، سیہ کار، بے دین اور بے وقوف بن چکا۔ افسوس تمام عمر پچھتاؤں گا مگر زمرد کیا کہوں اب بھی یہ سب باتیں خواب معلوم ہوتی ہیں۔ طورِ معنیٰ اور اس کے نورانی قصر کی صورت اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔

زمرّد۔ ہاں وہ بھی اس مذہب کا بڑا رکن ہے۔ اس وقت صرف دو ہی شخص شاہ التمونت کو ملے ہیں جن سے اچھا نقیب و داعی اس مذہبِ باطنیہ کو نہیں نصیب ہو سکا۔ طورِ معنیٰ اور علی وجودی جو یہاں وادی ایمن کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ان دونوں نے اپنی گہری سازشوں سے صدہا امراء وزراء، اور علماء فضلا قتل کر ڈالے اور چونکہ اس جنت اور ملاء اعلیٰ کی اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں لہذا ان پر سارا فریب کھلا ہوا ہے اور لوگوں کو جان بوجھ کر گمراہ کرتے ہیں۔طورِ معنی بھی لوگوں سے ملتا ہے مگر وادیٔ ایمن نے دنیا کو بہت خراب کیا۔ دین کو جتنا ضرر اس شخص کے ہاتھ سے پہونچا ہے شاید کبھی کسی کے ہاتھ سے نہ پہونچا ہوگا۔

حسین۔ تو کیا طورِ معنی کا زمین دوز قصر بھی کوئی قدرتی کرشمہ نہیں اسی جنت کی طرح وہ بھی لوگوں کے دھوکا دینے کے لیے بنا دیا گیا ہے؟

زمرد۔(مسکرا کر) کیا تمہیں ابھی شک ہے۔

حسین۔ شک نہیں پیاری زمرد۔تیری باتوں کا یقین ہے مگر کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں کے سامنے کیسی کیسی کیفیتیں گذر چکی ہیں۔اور ان کانوں نے کیسے کیسے روشن اور دل فریب الفاظ سنے ہیں خیر یہ بھی نہ سہی مگر طورِ معنی کا قصر تو اصفہان میں ہے وہاں کے غار سے میں یہاں کیونکر پہونچ گیا؟۔

زمرد۔ التمونت کا نام چونکہ کسی قدر مشہور ہو گیا ہے اور بعض لوگ بھڑک گئے ہیں لہذا جن لوگوں کی نسبت ایسا خیال ہوتا ہے وہ اصفہان اور طورِ معنی ہی کے ذریعہ سے یہاں لائے جاتے ہیں۔اور سارا راز مخفی رکھنے کے لیے یہ تدبیر عمل میں لائی جاتی ہے کہ طورِ معنی انھیں بے ہوش کر کے اونٹوں کی قطار پر سوار کراتا ہے اور وہ رازدار اور معتبر ساربانوں کے ذریعہ سے التمونت تک پہونچا دیے جاتے ہیں ہر منزل پر رات کو کسی جگہ ان لوگوں کو ہوش میں لا کر کچھ کھلا پلا دیتے ہیں اور پھر بے ہوش کر کے آگے روانہ ہوتے ہیں۔

حسین ۔ (چونک کر) میں تو اپنے آپ کو کبھی جنگل میں پاتا تھا۔ اور کبھی پہاڑوں میں۔ تو گویا اسی طرح میں بھی اصفہان سے روانہ ہو کر التمونت کے منازل کو قطع کر رہا تھا؟ ۔

زمرد ۔ اور کیا۔

حسین ۔ (حیرت سے) اور یہ لوگ انسان کو بے ہوش کیونکر کرتے ہیں؟ ۔

زمرد ۔ ایک پتی ہے حشیش (بھنگ) اسی کے ذریعہ سے کبھی اس کا شربت پلا کر اور کبھی اسے غذاؤں میں اور مٹھائیوں میں ملا کے ۔

حسین ۔ (بے صبری سے) تو طورِ معنی نے جو جامِ شراب پلایا وہ حشیش کا تھا۔

زمرد ۔ بے شک ۔

حسین ۔ افسوس مجھے مسکرات بھی پلائے گئے ۔ اور کوئی گناہ نہیں جو اٹھا رکھا ہو۔ زمرد تو ناراض نہ ہو۔ کیونکہ صرف تیرے وصال کی آرزو نے اندھا کر دیا تھا ورنہ میں اتنا مجنوں و فاترالعقل نہ تھا۔ تیری محبت کی یہ حالت ہے کہ تیرے بوسے کا یہ نشان جو میری پیشانی پر موجود ہے مجھے جان و دل سے زیادہ عزیز تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس نشان کا بوسہ لے کر اپنے دل کی تسلی کروں مگر یہ مشتاق ہونٹ کسی طرح وہاں تک نہ پہونچ سکے ۔ حسین کی ان باتوں پر زمرد کچھ ایسی شرما گئی تھی کہ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی دیر تک آنکھیں نیچے کیے رہی اور کئی منٹ کے بعد جذباتِ شرم کو دبا کے بولی ۔

حسین بوسہ لینے سے نہ کسی شخص کے جسم پر داغ بن جاتا ہے اور نہ میں اتنی بے حیا ۔

حسین ۔ (بات کاٹ کر) اچھا تمہارے سوا اور کسی نے میرا بوسہ لیا ہوگا۔

میں نے کسی کو منھ تک تو لگایا نہیں ۔

زمرّد ۔ (نظریں جھکائے) اب مجھ سے بے شرمی کی باتیں نہ کہلواؤ ۔ یہ تم کو فریب دیا گیا ہے ۔ نہ یہ بوسے کا نشان ہے اور نہ عشق بازی کی پہچان بلکہ یہ ایک علامت ہے جو ہر شخص کی پیشانی پر لوہے سے داغ کر بنادی جاتی ہے جو اس جنت میں لایا جاتا ہے ۔

حسین ۔ داغا ہوتا تو مجھے یاد ہوتا ۔

زمرّد ۔ یہ داغ بے ہوش کر کے بنایا جاتا ہے ۔ اور جب تم التمونت سے اصفہان کو جا رہے ہوگے اسی وقت بنایا گیا ہوگا ۔

حسین ۔ (زور سے سینہ کوٹ کر) افسوس ! افسوس ! گل لینے گئے تھے داغ لائے ۔

اس کے بعد حسین دیر تک دل ہی دل میں اپنی حالت پر افسوس کرتا رہا اور پھر ایک دفعہ چونک کر بولا ۔

" زمرّد ! افسوس بڑا دھوکا ہوا تو نے مجھے اس وقت کیوں نہ جتا دیا جب میں تیرے پاس لایا گیا تھا ۔ اس وقت تو بھی مجھے یقین دلا رہی تھی کہ یہ سب ملاءِ اعلیٰ کی چیزیں ہیں ۔

یہ سنکر زمرد آبدیدہ ہوگئی ۔ اور ایک درد کی آواز میں بولی ۔ میری قسمت میں ہی یہ لکھا تھا کہ تمہیں دھوکا دوں ۔

زمرّد کو آبدیدہ اور ملول پاکر حسین کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور وہ بے اختیاری کے ساتھ باوفا معشوقہ کے آنسو پونچھ کر کہنے لگا ۔

زمرّد ! مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اس سوال سے تیرے دل کو صدمہ پہونچے گا اچھا جا میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی ایسی بات نہ پوچھوں گا ۔

زمرّد۔ تم زخم پر اور نمک چھڑکتے ہو۔ اس وقت تک تم نے سب کچھ پوچھا اور یہ نہ پوچھا کہ تم سے چھوٹ کر مجھ کمبخت کے سر پر کیا گزری۔ تم تو آزاد تھے، دنیا میں پھر رہے تھے مگر آہ میں قید ..... تھی اور کیا کہوں کس عذاب میں مبتلا تھی یہ بات میرے اختیار میں نہ تھی کہ کسی کو راز کا ایک ذرا سا اشارہ بھی دے سکوں۔ اتنا کہہ کر زمرّد زار و قطار رونے لگی۔

حسین۔ (گلے لگا کر اور آنسو پونچھ کر) بے شک مجھ سے غلطی ہوئی کہ ان باتوں کا پوچھنا بھول گیا۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک کوئی بات سوچ سمجھ کے نہیں پوچھی یہ جو کچھ پوچھا ہے میں نے نہیں پوچھا بلکہ حیرت و بے خودی پچھوا رہی تھی۔ ایسی از خود رفتگی کی حالت میں کوئی فرد گذاشت ہو گئی ہو تو معاف کر دو۔

زمرّد۔ خیر اب تم نے یہ داستان چھیڑی ہے تو لو سنو۔ یہ باغ فدائیوں اور باطنیوں کے اعتقاد میں تو جنت الفردوس اور ملاء اعلیٰ کا عشرت کدہ ہے مگر سچ پوچھو تو شاہان التمونت کی عشرت کے لیے سراپا حرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈیڑھ سو برس کی متواتر کوشش روز بروز اس کی رونق بڑھاتی ہے اور چونکہ اس سے مذہبی کام لیا جاتا تھا۔ لہٰذا ہر چیز کے بنانے میں کوشش کی گئی کہ اس کی خوش نمائی و دلفریبی انسان کے حوصلے سے زیادہ اور اس کو محو حیرت کر دینے کے لیے کافی ہو۔ یہ محل جو دیکھتے ہو کہ سونے چاندی اور مونگے موتی کے نظر آتے ہیں صرف نقرئی اور طلائی ہیں اور ان جواہرات کے رنگ میں رنگ دئے گئے ہیں۔ ورنہ وہی اینٹ اور چونا ہے جس سے ہر جگہ مکان بناتے ہیں۔ نہروں کے جاری کرنے میں البتہ بڑی محنت سے کام لیا گیا۔ مگر یہاں قدرتی طور پر پہاڑوں سے آبشار اور نہریں جاری کرنے کا سامان موجود تھا۔ یہ بڑی نہر جو

اس باغ کے درمیان میں بھی ہے ۔ اور جس پر ایک سنہرا پل قائم ہے۔ وہی نہر ویرنجان ہے جس کے کنارے تم نے مدتوں آہ وزاری کی ہے ۔

حسین ۔ (حیرت سے) وہی نہر ہے ؟ ۔

زمرّد ۔ وہی — یہ نہر خاص شاہی قصر سے ہوتی ہوئی یہاں آئی ہے اور یہاں چند ایسی گھاٹیوں میں ہوکر جن میں سے گزرنا غیر ممکن ہے اس فرحت بخش وادی میں پہونچ گئی ہے ۔

حسین ۔ اور زمرّد وہ روشنی کیسی تھی جسے تو نے نوریزدانی بتایا تھا ۔

زمرد ۔ وہ روشنی صرف یہ کہ گرد کے پہاڑوں پر رات کو بہت تیز روشنی اور پوری قوت کی مہتابیں چھوڑی جاتی تھیں جن کا عکس یہاں کے آئینوں اور شیشوں پر لے کر قوی اور تیز کیا جاتا تھا ۔ اس روشنی کا سامان صرف اس زمانے میں کیا جاتا ہے جب یہاں کوئی شخص معتقد بنانے کے لیے لایا گیا ہو ۔ اس وقت سب کو حکم رہتا ہے کہ جب وہ روشنی تیزی سے چمکے تو چلاّ کے کہیں "ھٰذا الذی ماوعدنی ربی" اور وہ دوا اور شراب کا حوض بھی اسی ضرورت کے موقعہ پر لبریز کیے جاتے ہیں ۔ لوگوں کا تختوں پر بیٹھنا اور غلمان کا شراب پلانا ۔ اور ان کی بے فکری وخالص مسرت کے تماشے بھی اسی موقعہ پر دکھائے جاتے ہیں ۔

حسین ۔ اور یہ طیور کا نغمہ اور ان کا پھل توڑ توڑ کر لانا ۔

زمرد ۔ یہ کون بڑی بات ہے ؟ چند سدھائے ہوئے طیور چھوڑ دیے گئے ہیں ۔ جن کو پھلوں کے توڑ لانے اور بغیر چھیڑے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھ کر اڑ جانے کی مشق کرادی گئی ہے ۔ اسی طرح یہاں کے طیور کو قرآن پاک کی یہ آیت بھی السلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ۔ یاد کرائی گئی ہے ۔ جس کو ہر

وقت رٹا کرتے ہیں۔

حسین۔ بڑا گہرا فریب ہے! بھلا کوئی کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ اور ہاں زمرد جنّت کے راز بتانے میں تو اپنی سرگزشت کہنا تو بھول ہی گئی۔

زمرد۔ میری مصیبت کیا پوچھتے ہو۔ میں ہی تھی جو ان سب آفتوں کو جھیل گئی اور کوئی ہوتا تو اب تک خاک میں مل چکا ہوتا۔

حسین۔ نہیں پیاری زمرد ایسی باتیں زبان سے نہ نکال۔ میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ مصیبتیں کٹ گئیں اور ہم پھر ایک دوسرے کے آغوش میں ہیں۔

زمرد۔ اصل میں، میں صرف ایک حور بنانے کے لیے لائی گئی تھی۔ حورشاہ اور اس کے ہمراز اہلِ دربار اور یہاں کی تمام حوروں کو ہمیشہ کسی خوب صورت عورت کی جستجو رہتی ہے تاکہ اس کے حسن و جمال سے جنت میں زیادہ دلچسپی پیدا کریں۔ جب میں حورشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو بدنصیبی سے اس کی نظر میں معمولی سے زیادہ اور جنت کی تمام حوروں سے بڑھ کر خوب صورت ثابت ہوئی۔ اس نے ارادہ کیا کہ مجھے خاص اپنے لیے مخصوص کر لے۔ میں یہ خبر سن کر انتہا سے زیادہ پریشان ہوئی اور آخر دل میں فیصلہ کیا کہ چاہے مار ڈالی جاؤں مگر اس بے عزتی کو گوارا نہ کروں گی۔ ابتدا میں مجھے طرح طرح کے لالچ دیے گئے۔ بتایا گیا کہ اس کی بی بی ہونے کے بعد تاج میرے سر پر رکھا جائے گا۔ اور ایک عالی مرتبہ ملکہ بنوں گی۔ مگر میں نے کسی طرح منظور نہ کیا اور جب اسے رضامندی سے مایوسی ہوگئی تو وہ ظلم پر آمادہ ہوگیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں۔ دو ڈھائی مہینے اسی حال میں گزرے اور ہر گھڑی موت کا انتظار کرتی تھی۔

معشوقہ، بادفا کی یہ مصیبت اور وفاکیشی سُن کر حسین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگا۔ "زمرد! میرے لیے تو نے بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔"

زمرّد۔ یہ مصیبت نہ تھی بلکہ اس کو میں راحت سمجھتی تھی۔ اس لیے کہ بے عزتی اور آبروریزی سے بچی ہوئی تھی۔ اب خورشاہ ناکامی کے غصے سے میرے قتل پر آمادہ ہوگیا تھا لیکن اتفاقاً کسی دوست نے رائے دی کہ ایسے کام جن کو کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے سے تعلق ہو۔ ظلم و جور و زبردستیوں سے نہیں نکلتے۔ بہتر یہ ہوگا کہ زمرد چند روز کے لیے جنت کے ایک محل میں چھوڑ دی جائے، وہاں جب ایک عرصہ تک راحت و عشرت میں رہے گی تو اپنے رنج و غم بھول جائے گی۔ اور آخر جوانی کے جذبات غالب آکر اسے خود ہی آپ کی معشوقہ بننے پر آمادہ کریں گے۔ یہ رائے اسے پسند آئی اور میں اس کے محل سے لاکر اس جنت اور اسی قصر دری میں رکھ دی گئی۔ یہ ایسا محفوظ مقام ہے کہ خورشاہ کے خیال میں بھی نہ تھا کہ یہاں کبھی پرندہ پر مار سکے گا۔ باہر کا کوئی شخص نہ آسکتا تھا۔ اور جو معتقد بنانے کے لیے بھی لائے جاتے تھے تو ان کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ سوائے ایک دو بات کرنے کے میں ان سے زیادہ مل بھی نہ سکوں اوروں پر کیا منحصر ہے جب میں تم سے ملی ہوں اس وقت بھی ان امور کی پوری نگرانی ہوتی تھی۔ اور مجال نہ تھی کہ سوائے تمہارے بہلانے اور بہکانے کے میں تم سے ذرا بھی بے تکلف ہو سکوں۔ اب مجھے ہر بات کا آرام تھا رات دن عیش و عشرت میں گذرتی تھی۔ اور خورشاہ کے اشارے کے موافق یہاں کی تمام حوریں میری لونڈیاں بنی رہتیں اور ہر وقت میرا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ حسین یہ سب سامانِ

مسرت موجود تھا۔ مگر میرے دل کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ تمہاری صورت ہر گھڑی آنکھوں کے سامنے رہتی اور طرح طرح کی تدبیریں سوچا کرتی کہ کسی طرح یہاں سے بھاگوں۔ انہیں دنوں میں تمہارے قتل کے بارے میں بھی مشورے ہوتے اور روز میرا لہو خشک ہوا کرتا۔ ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک لق ودق میدان میں کھڑی ہوں۔ ناگہاں سامنے سے تم نظر آئے اور مجھ سے ملنے کو بے تحاشا دوڑے یکایک کسی شخص نے ایک درخت کی آڑ سے نکل کر تمہارے سینے میں ایک چھری ماری تم وہ زخم کھاتے ہی سینہ پکڑ کے کھڑے ہو گئے اور میں بے اختیار روتی اور چیخیں مارتی تمہارے قریب دوڑی بس اسی حال میں چیختے چیختے میری آنکھ کھل گئی۔ اب کہاں چین پڑ سکتا تھا۔ باقی رات میں نے رو رو کر بسر کی اور صبح کو حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ مرجان نام یہاں کی ایک حور جو مجھ سے کسی قدر مانوس ہو گئی تھی اور جس سے میں کبھی کبھی دو ایک باتیں کر لیا کرتی تھی میرے پاس آئی اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولی "زمرد! تم نے کچھ اور بھی سُنا۔ وہ نوجوان حسین جو تمہارے ساتھ تھا اب تک اسی وادی میں تمہاری قبر سے لپٹا بیٹھا ہے۔"

اس موقعہ پر مجھے ضبط سے کام لینا چاہیے تھا۔ مگر رہا نہ گیا بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کر بول اٹھی۔

حسین اب تک وہیں ہیں؟

مرجان۔ ہاں مگر اب یقین ہے کہ دو ہی ایک روز میں وہ مقام ان سے خالی ہو جائے گا۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"کیوں؟"

مرجان۔ وہ مقام ہم لوگوں کی سیرگاہ ہے۔ اور اسی سبب سے خورشاہ

چاہتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص نہ رہے جو ہمارا راز جانتا ہو۔ تمہارے ساتھی نوجوان کی نسبت پہلے تو یہ خیال تھا کہ جب اسے بالکل مایوسی ہو جائے گی تو چلا جائے گا۔ اسی غرض سے تمہاری قبر بنادی گئی ہے۔ پتھر پر تمہارا نام کندہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے مرنے کا اسے یقین ہو جائے۔ اور وہ واپس جائے اور لوگوں کو بھی اِدھر آنے سے روکے مگر یہ تدبیر بیکار گئی۔ لہٰذا مجبور ہو کر اب یہ تجویز قرار پائی کہ جس طرح بنے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

حسین میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ جملہ سنتے ہی میرے دل کی حالت کیا ہوئی اور گھبرا کر بالکل بے اختیاری کے ساتھ کہہ اٹھی۔

تو پھر مجھے بھی مار ڈالو۔

میری بدحواسی دیکھ کر مرجان بولی۔ اگر اس کو بچانا چاہتی ہو تو ایک کام کرو خورشاہ کے سامنے چل کر خود اپنی زبان سے سفارش کرو۔

یہ ایسی بات تھی کہ جس کو میں ہرگز نہ مانتی فقط اتنے خیال سے کہ تمہاری جان بچتی ہے طوعاً و کرہاً گئی اور جب اس نے مسکرا کر مجھ سے بات کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے آہ و زاری کے ساتھ کہا خدا کے لیے اس نوجوان کی جان نہ لیجیے۔ میری درخواست سنتے ہی اس نے نہایت متین صورت بنائی، مجھے بہت گھور کر غصہ کی نگاہ سے دیکھا۔ اس لیے کہ میرے تمہارے تعلقات نے اس کے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ اور نہایت برہمی کی آواز میں پوچھنے لگا۔

"وہ تمہارا کون ہے؟۔

میں۔ وہ میرا عزیز ہے۔ اسی کے ساتھ کھیل کود کے اور اسی کے ساتھ پڑھ لکھ کر میں بڑی ہوئی ہوں۔ اور اسی سے میری شادی ہونے والی ہے۔ اسی سبب سے اکیلا وہی میری جان و مال کا مالک ہے۔

خورشاہ۔ تمہاری شادی ابھی اس کے ساتھ نہیں ہوئی۔
میں نے نظر نیچی کر کے جواب دیا "نہیں"۔
یہ جواب سن کر خورشاہ نے مجھے بدگمانی کی متجسس نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا مگر شادی سے پہلے ہی تمہارے اس کے ایسے تعلقات ہو گئے کہ گھر بار چھوڑ کر ساتھ نکل کھڑی ہوئیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ تمہاری عفّت میں داغ لگ گیا۔

اس کا جواب دیتے وقت مجھے بے انتہا شرم معلوم ہوئی کسی طرح کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ مگر صرف اپنی اور تمہاری جان بچانے کی غرض سے میں نے دل کو کڑا کے اور بے حیائی گوارا کر کے جواب دیا ما یک تو اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو اور دوسرے حج کو نکلی تھی۔ مگر ہاں یہ البتہ ارادہ تھا کہ قزوین پہنچ کر عقد کر لوں گی۔

خورشاہ۔ نکاح کی رسم تو خیر قزوین میں ادا ہوتی مگر غالباً تم میں آپس میں میاں بی بی کے تعلقات پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔

اس سوال پر میں اس قدر شرمائی کہ سارا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور نیچی نظر کر کے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شرم کے مارے آنکھیں بند کر کے جواب دیا نہیں میری عفّت میں فرق نہیں آیا۔

اتنا سنتے ہی خورشاہ ایک بے اختیاری کے جوش میں یہ کہتا ہوا میری طرف دوڑا۔

شکر ہے کہ میری نازنین کے پاک جسم کو ابھی کسی کا ہاتھ نہیں لگا۔

قریب تھا کہ وہ مجھے گلے لگا لے مگر میں نے دونوں ہاتھوں سے روکا اور اس کے ہاتھ سے بچنے کے لیے پاؤں کے پاس زمین پر گر کر کہنے لگی "اے نوجوان

کی جان نہ لیجیے ورنہ میں مرجاؤں گی "۔

خورشاہ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر مجھے اٹھا کر بولا " زمرد یہ بہت ضروری ہے کہ وادی اس ضدی شخص سے خالی کی جائے "۔

میں۔ آہ میں نے اسے وصیت کر دی تھی کہ مرجاؤں تو گھر کے عزیزوں کو میری عفت و پاکدامنی کا یقین دلاؤ مگر افسوس اس نے نہ مانا۔

یہ سنتے ہی خورشاہ چونک پڑا اور بولا " کیا تم نے اسے گھر جانے کی وصیت کی تھی ؟ "

میں۔ جی ہاں۔ یہ وصیت کیسی بہت تاکید و اصرار کے ساتھ کہا تھا۔

خورشاہ " تو خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک نہایت عمدہ تدبیر ہے۔ وہ وادی بھی اس سے خالی ہو جائے گی اور اسے کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہونچے گا۔ مگر زمرد یہ سب صرف تمہاری نظرِ محبت کی امید پر منحصر ہے۔

اس کے جواب میں کچھ کہنا مجھے بالکل بے موقعہ معلوم ہوا۔ خاموش کھڑی رہی اور خورشاہ نے قلم دوات منگا کر ایک خط کا مسودہ لکھا اور اسے میری طرف بڑھا کر کہا " اسے تم اپنے ہاتھ سے صاف کر دو "۔ میں نے اسے اس کے سامنے وہیں بیٹھ کر صاف کر دیا۔ اور واپس نہیں آنے پائی تھی کہ ایک دودھ لانے والے دہقانی کو بلوا کر خورشاہ نے وہ خط اس کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ تمہاری غفلت میں قبر پر رکھ دیا جائے۔ یہ میرا پہلا خط تھا میں اس کا حال پہلے بھی بیان کر چکی ہوں مگر پھر کہتی ہوں کیسے کیسے ظلم ہوئے ہیں اور کیسی کیسی مجبوریاں پیش آئی ہیں جب میں نے تم کو وہ خط لکھا ہے۔

اس خط کے روانہ ہو چکنے کے بعد جب میں واپس آئی تو انتہا سے زیادہ حیران تھی۔ مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ اب مجھ سے مایوس ہو کر تم اپنے گھر چلے جاؤ گے روز

اسی ادھیڑ بن میں رہتی تھی کہ تمہاری زبان سے میری موت کا قصہ سن کر اماں اور ابا کے دل پر کیسی گزری ہوگی۔ کئی ہفتے اسی حالت میں گزر گئے۔ وہ حور جس کا نام مرجان تھا روز میرے پاس آتی اور ہمیشہ ہمدردی ظاہر کرتی مگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ خورشاہ کی سکھائی پڑھائی تھی۔ اور اس سے روز جا جا کر کہہ یا کرتی تھی کہ میں تمہارے لیے کس قدر حیران رہتی ہوں۔ ایک دن اس نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ زمرّد تمہارا مکان آمل میں ہے؟

میں چونک کر بولی "ہاں کیوں؟"

مرجان۔ وہیں کے ایک زبردست عالم جو فی الحال نیشاپور میں رہتے ہیں لوگوں کو ہمارے خلاف بہکا رہے ہیں۔ اور اس جنت کو فریب بتاتے ہیں۔

میں۔ کون؟ امام نجم الدین نیشاپوری تو نہیں۔

مرجان ہاں ہاں وہی ان کے قتل کی تجویز ہو رہی ہے۔

میں۔ (چونک کر) ہائے یہ تو بڑا ظلم ہے۔ وہ بڑے باخدا عالم ہیں۔ حسین کے استاد ہیں اور انھیں کے وہ مرید ہیں۔

مرجان (تعجب سے)۔ حسین ان کے شاگرد اور مرید ہیں۔

میں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے بھتیجے بھی ہیں۔

اس کے بعد دل ہی دل میں افسوس کرتی رہی کہ یہ ظالم ناحق ایک باخدا شخص کی جان لیتے ہیں اور انھیں خیالات کی وجہ سے میں نے رات کو کئی پریشان اور مہیب خواب دیکھے۔ دوسرے دن اُٹھ کے بیٹھی ہی تھی اور آفتاب اچھی طرح بلند نہیں ہونے پایا تھا کہ مرجان آئی اور کہنے لگی۔

"چلو زمرّد تمہیں خورشاہ نے بلایا ہے"

میں۔ (پریشانی کی صورت بنا کر) کیوں؟

مرجان ۔ میں کیا جانوں مگر اسی وقت چلو ۔ مجبوراً میں اس کے ساتھ گئی اور وہاں جاکر دیکھا تو ایک خوب صورت لڑکی کے ہاتھ سے لے کر جامِ شراب پی رہا ہے ۔ میری صورت دیکھتے ہی بولا ۔

خورشاہ ۔ تم کسی طرح حسین کے خیال کو نہیں چھوڑتیں ۔ اگر میری آرزو پوری کرنے کا اقرار کرو تو میں تمہیں اس سے ملا دینے کا وعدہ کرتا ہوں ۔

یہ الفاظ سنتے ہی میرے دل میں ایک خفیف سی مسرت پیدا ہوئی مگر اس کی شرط بالکل ایسی تھی جیسے شربت کے جام میں زہر ملا ہوتا ہے ۔ میں نے کسی اور خیال کو دل میں دبا کر کہا "اگر آپ کے رحم نے مجھے ان سے ملا دیا تو زندگی بھر آپ کی لونڈی رہوں گی" میرے اس جواب سے وہ خوش ہوا ۔ اور فوراً ایک دوسرے خط کا مسودہ دے کر کہا ۔ اس کو اپنے قلم سے صاف کردو میں نے مسودہ ہاتھ میں لے کر قبل اس کے کہ پڑھا ہو خورشاہ کی طرف دیکھ کر پوچھا ۔

"اب تو حسین اس وادی سے چلے گئے ہوں گے"

خورشاہ ۔ نہیں اس نے تمہارے پہلے خط کی ذرا بھی پروا نہیں کی ۔ اسی طرح قبر کا مجاور بنا بیٹھا ہے ۔ تم اسے بادفا اور سچا عاشق سمجھتی تھیں مگر وہ تمہاری پروا بھی نہیں کرتا ۔ اس دل کش وادی میں اس کا ایسا دل لگ گیا کہ اب تمہارے حکم کو بھی نہیں مانتا ۔

میں ۔ نہیں وہ ایسے ہی بادفا ہیں جیسا کہ میں سمجھتی ہوں جس طرح میری جدائی گوارا نہ تھی اسی طرح اب انہیں میری قبر کی مفارقت بھی گوارا نہ ہوگی ۔

حسین ۔ (جوش میں آکر) بے شک زمرد صرف اسی خیال سے میں نے تیرا حکم نہیں مانا ۔

زمرد ۔ خیر ۔ میری زبان سے یہ باتیں سن کر اس نے ایک حیرت کے ساتھ

گھور کر دیکھا اور کسی قدر لپست آواز میں بولا :۔ یہ مسودہ جلدی صاف کر دو کہ حسین تم سے ملنے کا سامان کرے مجھے اس مسودے کے پڑھتے ہی حیرت ہو گئی۔ پڑھتی جاتی تھی اور دل میں کہتی جاتی تھی کہ یہ لوگ کس قدر مکار اور فریبی ہیں۔ بہر حال میں نے خط صاف کر کے دے دیا۔ اور چلی آئی۔ دوسرے دن مجھے مرجان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ خط تمہارے پاس بھیج دیا گیا۔ اور اس سے یہ غرض تھی کہ تمہیں شیخ علی وجودی کا معتقد بنا کر انھیں کے ذریعہ سے امام نجم الدین نیشاپوری تمہارے ہاتھ سے قتل کرائیں جائیں۔ اس کے صلہ میں تم جنت کی سیر کرو۔ اور مجھے تم سے ملنے کا موقعہ ملے۔ حسین کیا کہوں یہ حال معلوم ہوتے ہی میں نے اپنے اوپر کتنی لعنت ملامت کی ہے۔ میں دل میں ڈرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تم ان کے خون میں اپنے ہاتھ رنگ لو۔ دعا کرتی تھی کہ خدا کرے پہلے خط کی طرح تم اس خط پر بھی عمل نہ کرو۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہاں کے بھیجے ہوئے گدھے پر سوار ہو کر تم روانہ ہو گئے تو دل میں اور ڈری، اور دعا کرنے لگی کہ خداوندا تو حسین کو اس گناہ سے بچا۔ مگر بعد مدّت کے جب معلوم ہوا کہ اب دو ہی تین دن میں تم جنت میں آیا چاہتے ہو تو مجھے یقین ہو گیا کہ تم ان ظالموں کے پھندوں میں پھنس گئے ہو۔ جب تم اس وادی کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہاں کی حوریں اکثر اوقات سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جانے لگیں جن کے ساتھ خورشاہ کی اجازت سے میں بھی کبھی چلی جاتی تھی اور اپنی قبر کو دیکھ کر تمہارے خیال سے اکثر دل ہی دل میں روتی۔

جب تم جنت میں آئے۔ اس سے پہلے ہی مجھے بتا دیا گیا تھا کہ تم سے کیونکر ملوں، کس قسم کی باتیں کروں اور تمہارے اعتقاد کو کس طرح بڑھاؤں تاکید تھی کہ اگر اس کے ذرا بھی خلاف ہوا اور ذرا سا بھی راز تم پر ظاہر ہو گیا تو پہلے تم مار ڈالے جاؤ گے پھر میں ہر وقت یہاں میری اور تمہاری نگرانی ہوتی رہتی تھی اور

مجھے تم سے ایک لفظ بھی کہنے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے تمہاری یہ حالت نظر آئی کہ جیسے تم پر کوئی سخت جادو چلا ہوا تھا اور اپنے ہر نیک و بد سے بے خبر تھے۔ ایسی حالت میں اس کی امید نہ تھی کہ تم سے کچھ کہوں گی تو تم اسے ضبط کر کے چھپا سکو گے اسی خیال سے میں نے کچھ نہ کہا تھا۔ تاہم موقعہ پاکر اتنا بتا دیا کہ ناامیدی کی حالت میں میری قبر پر آنا۔ اور آخر اسی تدبیر سے خدا نے کامیاب کیا۔ مگر حسین میں نے خورشاہ کے ہاتھ سے تمہارے لیے بڑے بڑے ظلم اُٹھائے۔ برائے نام اس جنت میں تھی تمہارے جانے کے بعد اور زیادہ سختیاں ہوئیں اور اب خورشاہ کو خیال ہو چلا تھا کہ میں کبھی اس کے موافق نہ ہوں گی۔ مگر لوگوں کے کہنے سننے اور اس کے دلی میلان کا نتیجہ تھا کہ اس وقت تک زندہ ہوں۔

حسین۔ (زمرد کو گلے لگا کر) غنیمت ہے کہ اتنی مصیبتوں کے بعد ہم پھر مل گئے مگر اب مجھے ضرورت ہے کہ ان ظالموں سے ان باتوں کا انتقام بھی لوں جب تک انتقام نہ لوں گا کبھی آرام سے بیٹھنا نہ نصیب ہوگا۔ میرے گناہوں کا کفارہ یہی ہے کہ دنیا کو خورشاہ علی وجودی اور طورِ معنی کی نجاست سے پاک کروں جس طرح اب تک ان لوگوں کا فدائی تھا۔ اب دین کا سچا فدائی رہوں گا ان کے مستقر پر جاؤں گا اور اسی مکر و فریب سے ان لوگوں کو جنت کے بہانے دوزخ میں بھیجوں گا۔

زمرد۔ تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں فی الحال عید قائم قیامت ہے۔ یہ سب لوگ یہیں آئے ہوئے ہیں اسی قلعہ میں موجود ہیں۔ اور ان کی سزا دہی کا بھی پورا انتظام ہو گیا ہے۔ آج ہی شام تک تمہیں موقعہ مل جائے گا کہ شہزادی بلغان خاتون کے ساتھ خورشاہ کے محل میں اور قلعہ میں گھس کر ایک ہی وقت تینوں کا کام تمام کرو۔

حسین۔ زمرد تجھے یہاں کے سب حالات کیونکر معلوم ہو گئے؟۔

زمرد۔ حوروں اور جنت والوں سے کوئی راز چھپا تھوڑا ہی ہے۔ مرجان کی

طرح یہاں کی بعض حوریں خورشاہ کے محل میں جاتی ہیں اور ان میں سے ایک دو ہر وقت اس کی صحبت میں موجود رہتی ہیں یہ حوریں جب واپس آتی ہیں تو جو دیکھتی سنتی ہیں دوسروں سے کہدیتی ہیں۔ اس طرح تھوڑی دیر میں ہر بات سب میں مشہور ہو جاتی ہے اور کسی نہ کسی ذریعہ سے میں بھی سن لیتی ہوں۔ اور ہاں حسین یہ تو بتاؤ کہ شاہزادی کے ساتھ فوج کتنی ہے؟

حسین۔ فوج؟ تھوڑے سے جوان ہوں گے۔

ناگہاں ایک شور ہنگامے کی آواز بلند ہوئی۔ دونوں گھبرا کے محل سے باہر نکل آئے اور ہزارہا سپاہیوں کا عظیم الشان لشکر دیکھ کر اس محل کی طرف دوڑے جہاں شاہزادی بلغان خاتون آرام کر رہی تھیں۔

نواں باب

انتقام

حسین اور زمرد نے اپنے قصروں سے نکل کر دیکھا تو عجب عالم نظر آیا۔ جنت کے آرام و اطمینان میں فرق آ گیا۔ اور معلوم ہوتا تھا گویا فردوسِ بریں میں قیامت آ گئی۔ خوبرو اور پری چہرہ حور و غلمان جو اپنے حسن و جمال سے ایک کو نورانی پیکر ہونے کا دھوکا دیتے تھے۔ قصروں اور کوشکوں سے نکل نکل کر بدحواس بھاگے اور ایک دوسرے کی آڑ میں چھپنے لگے۔ ہر طرف ایک تہلکہ پڑ گیا۔ جہاں رونا حرام بتایا جاتا تھا وہیں ہر طرف رونے پیٹنے اور نوحہ و بکا کی آواز بلند ہوئی۔ ایک عظیم الشان اور بڑا بھاری تاتاری لشکر جنت میں داخل ہو گیا تھا۔ جس کے سپاہی ہر چہار طرف پھیلتے جاتے تھے قصروں اور کوشکوں میں لوٹ مار مچ گئی تھی۔ خوبصورت لڑکیاں اور پری جمال لڑکے گرفتار ہو رہے تھے جن کی سہمی ہوئی صورتوں میں چیخ و پکار کی آوازوں سے عجب نازک گھڑی کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ یہ وحشت انگیز اور بدحواس کرنے والا سماں دیکھتے ہی زمرد اور حسین دوڑے ہوئے اس کوشک میں

پہنچے جہاں شاہزادی بلغان خاتون آرام کر رہی تھی ۔ زمرد شاہزادی کی آرام گاہ کے قریب پہونچ کر دستک دینے کو ہی تھی کہ ایک وحشی اور غارت گر تاتاری اس کی صورت دیکھ کر جھپٹ پڑا۔ قریب تھا کہ اور سب حوروں کی طرح وہ بھی گرفتار ہو جائے ۔ مگر حسین سے دیکھ کر رہا نہ گیا۔ حسین کے پاس اور کوئی ہتھیار تو نہ تھا وہی اپنا فدائیت کا خنجر لے کر دوڑا قریب تھا کہ اس میں اور تاتاری میں لڑائی ہو جائے کہ ناگہاں کمرے کا دروازہ کھلا ۔ اور خوب صورت شاہزادی بلغان خاتون اپنے بکھرے ہوئے اور لٹکتے ہوئے بالوں کے ساتھ لباس کے لمبے لمبے دامنوں کو زمین پر لٹکاتی ہوئی نکلی اور تاتاری زبان میں چلّا کر بولی ٹھہرو ۔ شاہزادی کی صورت دیکھتے ہی تاتاری دوڑ کر اس کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا ہم حضور کی تلاش میں تھے ۔

شاہزادی ۔ تم میرے ساتھ والوں میں سے ہو ۔؟

تاتاری ۔ نہیں ۔

شاہزادی ۔ (خوش ہوکر) بھائی آ گئے ۔

تاتاری ۔ جی ہاں ۔ ناگہاں تاتاریوں کا ایک بڑا غول نظر آیا جن کے درمیان میں خود ہلاکو خاں بھی موجود تھا ۔ شمشیر برہنہ اس کے ہاتھ میں تھی ۔ عماے میں کلغی لگی تھی ۔ جس پر مغلی نیزے اور تاتاری بیرقیں سایہ کیے ہوئے تھے ۔ اس شان سے اس کے شاہی خاندان میں ہونے اور نیز تمام فوج کے سردار ہونے کا پورا پتہ چلتا تھا ۔ ہلاکو خاں کو آتے دیکھ کر بلغان خاتون کمرے سے نکل کر استقبال کو دوڑی بہن بھائی جوش و خروش اور گرمجوشی سے ملے وحشی اور غارت گر جوانوں نے ایک گھڑی کے لیے مہذب بن کر اور مرتب ہو کر اپنی حسین نازنین شاہزادی کو سلام کیا ۔ اور ہر طرف سے خوشی و مسرت کے نعرے بلند ہونے لگے ۔

بلغان خاتون (ہلاکو خاں سے) بھائی آپ کب آئے ۔ مجھے تو تردد ہو چلا تھا ۔

ہلاکوں خاں ۔ تم لکھتیں اور میں نہ آتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت سلطان ولیم کے تعاقب میں عجلت کرنے کی ضرورت تھی ۔ مگر تمہارا خط دیکھتے ہی مجبور ہونا پڑا ، میں نے تھوڑی سی فوج اس کے تعاقب میں چھوڑ دی اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر چلا آیا ۔

بلغان خاتون ۔ میں روانہ ہونے سے کئی دن پہلے آپ کو اطلاع دے چکی تھی اسی خیال سے زیادہ فوج اپنے ہمراہ نہیں لائی ۔ لیکن آج صبح سے جو آپ کے پہنچنے میں دیر ہوتی تھی میرا تردّد بڑھتا جاتا تھا ۔

ہلاکو خاں ۔ میں نے بہت کوشش کی کہ صبح تڑکے پہنچ جاؤں مگر کسی طرح نہ پہنچ سکا۔ خیر اب بھی چنداں دیر نہیں ہوئی ۔

اس کے بعد بلغان خاتون نے زمرّد اور حسین کو ہلاکو خاں کے قدموں پر گرایا اور کہا "یہی لوگ ہیں جن کی مدد سے میں یہاں تک آسکی "

ہلاکو خاں نے انھیں اٹھا کر گلے سے لگایا اور کہا " اپنی بہن کی طرف سے میں بھی تمہارا شکر گزار ہوں "

دونوں نے پھر جھک کر اس کے قدم چومے اور کہا " حضور ہی کی توجہ سے ہم کو اس قید خانہ سے نجات ملی ۔ ورنہ زندگی بھر نجات کی کوئی امید نہ تھی ۔

بلغان خاتون ۔ اور بھائی آپ کے ہمراہ کتنی فوج ہے ؟

ہلاکو خاں ۔ میں پچاس ہزار فوج لے کر چلا تھا ۔ راستے میں وہ چالیس ہزار جوان جو تمہارے ساتھ آئے تھے اور مل گئے ۔ کل نوّے ہزار جانباز تاتاری میرے ہمراہ ہیں مگر ان میں سے صرف پانچ ہزار آدمی اندر لا ہوں ۔ اس لیے کہ راستوں کی دشواریوں کے باعث اس سے زیادہ فوج کا یہاں لانا غیر ممکن تھا ۔

بلغان خاتون ۔ اور باقیماندہ فوج نہر کے کنارے ٹھہری ہوگی ۔

ہلاکو خاں ۔ نہیں ۔ میں نے کئی منزل پیشتر اپنی فوج کے چالیس ہزار آدمی قلعہ التمونت پر بھیج دیے تھے جو آج ہی پہنچ گئے ہوں گے اور قلعہ کے اندر سے ہمارے طبل و قرنا کی آواز سنتے ہی یورش کر دیں گے۔ نہر دیر نجان کے کنارے پہنچ کر جب مجھے معلوم ہوا کہ زیادہ آدمی یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تو میں نے طوبیٰ خاں کو باقیماندہ فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ بھی التمونت ہی پر جا کر حملہ کرے۔ اس کے ساتھ ۴۵ ہزار فوج ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ لوگ وقت پر نہ پہنچ سکیں گے۔ مگر اتفاقاً خوش قسمتی سے ایک یہیں کا کوہستانی شخص مل گیا۔ جس نے بتایا کہ التمونت بہت قریب ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے میں پورا لشکر وہاں پہونچ سکتا ہے۔ طوبیٰ خاں اس شخص کو ساتھ لے کر گیا ہے اور یقین ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ بھی قلعہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا ہوگا۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ قلعہ کا راستہ کدھر سے ہے۔

بلغان خاتون ۔ تو بھائی تھوڑی دیر یہاں ٹھہر کر سستا لو پھر چلنا تم ابھی منزل مارے اور تھکے ماندے چلے آرہے ہو۔

ہلاکو خاں (ہنس کر) ہمارا آرام اسی میں ہے کہ جوہرِ شجاعت دکھانے کو کوئی اچھا میدانِ جنگ ملے۔ جب تک فتح حاصل نہ ہو لے اس وقت تک کوئی چیز ہماری تھکان نہیں مٹا سکتی۔ ہاں البتہ تمہارے تھکنے کا مجھے لحاظ ہوتا۔ مگر تم مجھ سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی ہو اور اچھی طرح سستا چکی ہو لہذا اب کسی بات کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

حسین ۔ (جوش و خروش سے قدم آگے بڑھا کر) حضور بے شک انتظار نہ کرنا چاہیے۔ مجھے ان لوگوں نے اتنا فریب دیا ہے اور میرے ہاتھ سے ایسے ایسے گناہ کرائے ہیں کہ جب تک ان میں سے خاص تین اشخاص کی جان نہ لے لوں گا چین نہ پڑے گا ہر وقت میرے دل سے انتقام کی آواز نکلتی ہے اور

پریشان ہوا جاتا ہوں۔

ہلاکو خاں۔ (مسکرا کر) "ہاں ذرا بیان تو کرو کہ تمہیں فریب کیونکر دیا گیا۔

شاہی حکم کی تعمیل میں حسین نے اپنی سرگزشت مختصر الفاظ میں بیان کی اور آخر میں آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔" افسوس زمرد کی محبت کے نام سے مجھے اتنے بڑے اور ایسے فریب دیے گئے ہیں کہ جب تک زندہ ہوں اپنے اوپر لعنت کرتا رہوں گا۔"

ہلاکو خاں۔ (حیرت سے) واقعی ان لوگوں نے دنیا پر ریاکاری و مکاری کا عجب جال ڈال رکھا ہے۔ اب اس قلعہ کی فتح کے بعد میرا ارادہ ہے کہ ملاحدہ کی نجاست سے ساری دنیا کو پاک کر دوں۔

حسین۔ اگر ایسا ہوا تو خدا تعالیٰ آپ سے بہت خوش ہوگا۔ اور دنیا ہمیشہ کے لیے آپ کے مبارک اسلحہ کی ممنون احسان رہے گی۔

ہلاکو خاں۔ تو چلو اب تاخیر میں نقصان ہے۔ ہماری فوج جو قلعہ کے گرد ٹھہری ہوئی ہے۔ متردد و پریشان ہوگی۔

زمرد۔ یہ کام میرے ذمہ ہے۔ حضور آپ کی اس لونڈی کے سوا کوئی اس راستہ سے واقف نہیں ہے۔ مگر اپنے ہمراہیوں کو حکم دیجیے کہ جب تک محل کے اندر داخل نہ ہولیں نہایت خاموشی سے چلیں۔ پہلے سے خبر ہوگئی تو محل سرا کا پھاٹک بند کر لیا جائے گا اور پھر قلعہ کی طرف جانے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔

زمرد کی ہدایت کے مطابق ہلاکو خاں نے اپنے تمام ساتھیوں کو ساکت و صامت رہنے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے کا حکم دیا۔ وہ پانچسو تاتاری جو قراقرم سے شاہزادی کے ہمراہ آ گئے تھے اور اب اس پانچ ہزار فوج کے بعد وہ بھی جنت کے اندر داخل ہو گئے تھے وہیں جنت میں چھوڑ دیے گئے تاکہ اسیر شدہ حور و غلمان کی محافظت کریں۔ اور ہلاکو خاں التمونت کے قصرِ شاہی کی طرف اس شان سے روانہ ہوا کہ آگے آگے تو

حسین تھا۔ اب اسے کسی تاتاری جوان سے ایک تلوار مل گئی تھی۔ جسے وہ غضب اور انتقام کے ارادے سے علم کیے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے خود ہلاکو خاں جس کے داہنی طرف بلغان خاتون تھی اور بائیں طرف زمرد اور ان کے پیچھے پانچ ہزار تاتاریوں کا غول تھا۔ باوجود اژدھام وجوش وخروش کے نہایت ہی سکوت ومتانت کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ نہر ویرنجان کے اس طرف چمن اور دل کش قطعات باغ طے کر کے یہ پُرسکوت گروہ سنہری پل پر پہنچا زمرد نے بڑھ کر پل کا قفل کھولا۔ اس لیے کہ آج صبح ہی کو اس نے راستہ روکنے کے لیے اس پل میں قفل ڈالدیا تھا۔ اور پل کا پھاٹک کھلتے ہی سب نہر سے اتر اتر کر ادھر کی پرفضا اور دل کش مرغزار میں داخل ہوئے اور زمرد کے بتانے کے موافق ایک خوش نما اور خوش گوار راستے سے گزر کر بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے ایک جھنڈ میں پہونچے۔ انھیں درختوں کے گھونگھٹ میں رکن الدین خورشاہ کے محل سرا کا خوب صورت چہرہ دروازہ پر چھپا ہوا تھا۔ دروازہ کی صورت دیکھتے ہی یہ لوگ دوڑ کر اندر گھس گئے اور قبل اس کے کہ کسی کو خبر ہو ایک طولانی ڈیوڑھی کو قطع کر کے خوشنما اور نزہت بخش خانہ باغ میں جا پہنچے جو اپنی شادابی ودل کشی میں التمونت کی جنت سے کم نہ تھا۔ ان خلل اندازوں کی صورت دیکھتے ہی چند سپاہی جو پہرے پر متعین تھے اپنے اسلحہ لے کر دوڑے، مگر جب دیکھا کہ تاتاریوں کا ایک لشکر ہے تو بدحواس ہو کر بھاگے، دو چار مارے گئے۔ بقیتہ السیف نے بھاگ کر سارے محل اور قلعہ میں ہلچل ڈالدی۔ قلعہ میں مذہبی عید کی رسمیں بجالائی جارہی تھیں بیرونی اور نیز یہاں کے لوگوں کا ایک بڑا بھاری مجمع تھا۔ اگر حواس سے کام لیا جاتا تو ممکن تھا کہ ایک معرکہ کی لڑائی ہوتی مگر تاتاریوں کی ہیبت ان دنوں ساری دنیا کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے قلعہ میں داخل ہو جانے کا سنتے ہی سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ خود خورشاہ جو کھڑا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ منبر سے اتر کر بدحواس بھاگا کہ کسی کونے میں جا چھپے، مگر

جانے نہ پایا تھا کہ محل کی نازک اندام و پری جمال عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پا بھاگ بھاگ کر آتی تھیں اور قدم قدم پر اس کے دامن سے لپٹ کر پناہ مانگتی تھیں۔ اس وقت یہاں اس کی خبر نہ تھی کہ قلعہ کے گرد بھی ایک بڑا بھاری اور عظیم الشان تاتاری لشکر محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ بادشاہ اور معتقدوں کو بدحواس دیکھ کر تمام سپاہی اور اہلِ قلعہ داعی اور فدائی قلعہ کا پھاٹک کھول کر بزدلی اور خوف کی آوازیں بلند کرتے ہوئے باہر نکلے جن کے نکلتے ہی قلعہ کے اندر مغلی طبل اور قرنا بجا اور تاتاریوں کے باہر والے لشکر نے اپنے قومی باجوں کی آواز سنتے ہی خود اپنا طبل بجایا اور فوراً حملہ کر دیا بھاگ کر باہر جانے والے تاتاری لشکر کے متلاطم سمندر کو ایک طوفان کی طرح اپنی طرف آتے دیکھ کر نہایت ہی از خود رفتگی کے ساتھ اُلٹے پھرے جن کا طوبیٰ خاں کے لشکر نے بڑی پھرتی سے تعاقب کیا۔ اور باہر کے مغلی جانبازوں کو قتل کرتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس پڑے۔

اب قلعہ کے اندر سخت طوفان بپا تھا۔ ہر طرف قتل عام کا سماں نظر آ رہا تھا بوڑھے بچے زن و مرد۔ اہل حرفہ اور سپاہی بلا امتیاز قتل ہو رہے تھے۔ ایک عجیب ہنگامہ تھا، جس میں تیر اور نیزے تلوار اور چھری اور گرز اور تبر کی ہوشربا آوازوں کے ساتھ تاتاری لٹیروں کی وحشت ناک چیخیں عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری اور رونے پیٹنے کی آوازیں ایک ساتھ سُنی جاتی تھیں۔

ہلاکو خاں اور بلغان خاتون کے ہمراہی خورشاہ کے محل کے ایک ایک کمرہ اور دالان میں گھس گھس کر خوفزدہ عورتوں مردوں۔ بوڑھوں اور بچوں کو نکال نکال کر ہنکاتے ہوئے ایک بڑے میدان میں لائے جس جگہ چند منٹ پہلے عید کا جشن ہو رہا تھا۔ اور عیش و مسرت کے پرجوش نعرے بلند تھے۔ دوسری طرف سے باہر بھاگنے والوں کو طوبیٰ خاں کے ہمراہیوں نے نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ ہنکا کر اندر کیا۔

وہ بھی اسی میدان میں آکر مظلوم و پریشان حال دوستوں سے اندھوں کی طرح ٹکرانے لگے کسی کو اپنے پرائے کا ہوش نہ تھا ہر شخص کے حواس غائب تھے۔ اور جو دشمن میں سے کسی کو پاتا تو مجنونوں یا ڈوبنے والوں کی طرح اس کے دامن سے لپٹ کر پناہ مانگتا۔ یہ دل خراش سین زمرد کے دل پر نہایت ہی اثر کر رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کی بے کسی دیکھ دیکھ کر رو اٹھتی تھی۔ کئی مرتبہ قلعہ کی بعض ستم زدہ عورتوں کے ساتھ اس کی زبان سے بھی چیخ کی آواز نکل گئی، زمرد کی پریشانی دیکھ کر بلغان خاتون اس کے قریب آئی اور کہنے لگی "زمرد! میں نہ جانتی تھی کہ تمہارا دل اس قدر کمزور ہے ورنہ تم کو یہاں نہ لاتی"

زمرد۔ (روکر) شاہزادی یہ سب میرا کیا ہوا ہے۔ جو خون کا قطرہ اس وقت قلعہ میں گر رہا ہے اور گرے گا۔ اس کے گناہ میں میرا نام بھی لکھا جائے گا اور ممکن نہیں کہ اس کے انتقام سے میں بچ سکوں۔

بلغان خاتون۔ یہ صرف تمہارے دل کا بودا پن ہے ورنہ ان لوگوں کا قتل کرنا گناہ نہیں۔ ذرا یہ تو خیال کرو کہ اس وقت ہم کیسے کیسے مقدس بزرگوں اور نامور لوگوں کا بدلہ لے رہے ہیں، جتنے لوگ یہاں مارے جائیں گے ان سے زیادہ روحیں اس وقت خوش ہو رہی ہوں گی۔ اور ہمارے لیے خدا سے مغفرت کی خواستگار ہوں گی۔

زمرد۔ (ہچکیاں لے کر) جو کچھ ہو مگر شاہزادی مجھ سے یہ ظلم و جور نہیں دیکھا جاتا۔

بلغان خاتون۔ جب یہ ظلم و جور دل پر اثر کرے تو ان مظالم کو یاد کر لو جو ان ظالموں کے ہاتھوں دنیا پر ہوتے رہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں قلعہ کی نصف سے زیادہ آبادی قتل ہو گئی۔ لاشیں ہر طرف تڑپ رہی تھیں۔ وہ ہر طرف سے پھڑکتی ہوئی آ آ کے ایک مقام پر بہت سی جمع ہو جاتیں

اور ایک دوسرے سے ملتیں اور باہم لپٹ لپٹ کر اچھلتی تھیں مگر قاتلوں کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا۔ وہ برابر نئے بے سر دھڑ لوگوں کو گرا کر انھیں تڑپتی ہوئی لاشوں کے تودوں کی طرف پھینک رہے تھے۔

اب ہلاکوں خاں اسی منبر پر کھڑا تھا جس پر سے خورشاہ خطبہ کو ناتمام چھوڑ کر اترا تھا۔ برہنہ و خون آلود تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور اس کی بہن شہزادی بلغان منبر کے نیچے اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ حسین اگرچہ فوجی آدمی نہ تھا مگر اسے انتقام کا پورا موقعہ ملا تھا اور دل کی آگ ملاحدہ کے قتل کی پیاس کو تیز کر رہی تھی۔ تاتاریوں کی بھیڑ میں گھس گھس کر وہ ان خاص لوگوں کو ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ جنھیں اس نے پہلے سے اپنا شکار تجویز کر لیا تھا۔ ناگہاں ایک شخص دوڑ کر اس کے دامن سے لپٹ گیا۔ اور اس کے منہ سے آواز نکلی "حسین مجھے بچا میں جانتا ہوں کہ تو شجرِ معرفت کی ایک شاخ ہے۔" حسین سمجھ گیا کہ یہ کاظم جنوبی ہے دل میں آئی کہ ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دے مگر خود یہی سوچا کہ اس سے طورِ معنی اور علی وجودی کا پتہ لگ جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی ذرا دوستی کی شان سے کاظم علی جنوبی کی طرف جھک کر پوچھا "طورِ معنی کہاں ہے؟"

کاظم جنوبی نے یہ الفاظ سنتے ہی سر اُٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ اور ایک شکستہ حال بڈھے کی طرف جو کئی آدمیوں کے درمیان میں زمین پر ننگے سر بیٹھا تھا۔ اشارہ کیا اور پھر زمین پر گر کر کہنے لگا۔ اے شجرِ معرفت کی شاخ مجھے پناہ دے۔ حسین نے غضب آلود تیوروں سے اس ذلیل خوشامدی کو دیکھا اور یہ کہہ کر کہ تجھ سے ذلیل فریبی کے لیے پناہ نہیں ہے، اس کا سر اُڑا دیا۔

کاظم جنوبی کو تڑپتا چھوڑ کر وہ اس بڈھے کی طرف گیا اور دیر میں پہچان سکا کہ طورِ معنی وہی ہے حسین نے اس مجمع کے اندر ہاتھ ڈال کر اسے باہر کھینچا اور کہا،

آج تو میں نے وہ ستر ہزار حجاب خود ہی چاک کر ڈالے اور طورِ سینا کو بے حجاب دیکھ رہا ہوں۔ یہ جملہ سنتے ہی طور معنی نے حیرت و استعجاب سے حسین کی طرف دیکھا اور کہا اے نوجوان تو کون ہے کہ رمزِ حقیقت سے آگاہ معلوم ہوتا ہے؟

حسین۔ ہاں خوب آگاہ ہوں۔ مگر آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا۔

طور معنی۔ نہیں بالکل نہیں۔

یہ جواب سنتے ہی غصہ میں آکر حسین نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا: "یا تو وہ کشف تھا کہ بغیر اس کے کہ میری صورت دیکھے اور میری آواز سنے تو نے کہا تھا" اے نوجوان آملی مرحبا یا آج مجھے دیکھ کر بھی نہ پہچان سکا۔ تیری سب سازشیں کھل گئیں اور معلوم ہو گیا کہ تو کتنا بڑا مکار و بدمعاش ہے" اس جواب پر طورِ معنی جھک کر حسین کے قدم چومنے لگا۔ اور رقت و بدحواسی کی آواز میں بولا "رحم جوان آملی، رحم!"

حسین۔ ہرگز نہیں۔ تو ایک فتنہ ہے جس سے دنیا کو جہاں تک ہو سکے جلد خالی کرنا چاہیے۔

یہ کہہ کر حسین طورِ معنی کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ تلوار زمین پر ڈال دی اور کمر سے خنجر نکال کر بولا "یہی وہ فدائیت کا خنجر ہے جو میری کمر میں بندھوایا گیا تھا۔ اسی سے میں نے امام نصر بن احمد کے سے نیک نفس بزرگ کی جان لی تھی اور اسی سے تیرا ناپاک سینہ چاک کرتا ہوں" طور معنی کچھ کہنے ہی کو تھا کہ حسین کا خنجر اس کے سینے کے اندر اُتر گیا اور ایک ہی وار میں ایڑیاں رگڑ کر ایک آہ کے ساتھ جان دے دی۔ اور حسین اپنی تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہوا مگر اچھی طرح کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ کسی قدر فاصلہ پر ہلاکو خاں کے قریب ہی ایک تاتاری ایک ضعیف العمر بڈھے کو اس کے عمامے سے باندھ کر کھینچ رہا ہے۔ حسین اسے دور سے دیکھتے ہی پہچان گیا کہ علی وجودی وہی ہے۔ بے اختیار

دوڑ گیا اور پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چلّایا "میرا مجرم ہے۔"

تاتاری۔ کیوں؟ گرفتار میں نے کیا اور مجرم تمہارا ہو گیا۔

حسین:۔ ہاں اس لیے کہ یہ میرا قدیمی مجرم ہے۔ اس جملہ کے ساتھ ہی ہلاکو خاں نے بھی اس تاتاری کو اشارہ کیا کہ اس قیدی کو حسین ہی کے سپرد کر دے۔ حسین نے علی وجودی کو اسی طرح اس کے عمامے کا ایک جھٹکا دے کر دریافت کیا "مجھے پہچانا؟"

علی وجودی کچھ ایسی مایوسی اور از خود رفتگی کی حالت میں تھا کہ اس وقت اس نے دیکھا ہی نہ تھا کہ اس کے سر پر کیا گزری ہے اور کس کے ہاتھ میں گرفتار ہے حسین کی آواز سُن کر اس نے سر اُٹھایا اور پہچانتے ہی چلّا اٹھا:۔ اہا حسین مجھے تیری جستجو تھی۔ جب مجھے قلعہ التمونت سے تیرے نکالے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا افسوس اگر تو میرے پاس چلا آتا تو اس طرح ناکام نہ رہتا:۔ دراصل علی وجودی یہ نہیں سمجھا کہ حسین اب اس کے عقائد کے خلاف ہے اسے خیال گزرا کہ اب تک یہ میرا معتقد ہے اور اسی وجہ سے مجھے تاتاریوں کے ہاتھ سے چھڑا کر بڑی دلیری اور بہادری سے یہاں لایا ہے۔

حسین۔ (عقیدت کی شان اور عمامے کا سرا چھوڑ کر) مگر آپ کو تو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ آپ نے سیر لاہوتی میں بے شک دریافت کر کیا ہو گا کہ میں کن پہاڑوں اور کن گھاٹیوں میں سر ٹکراتا پھرتا تھا۔

یہ سُن کر علی وجودی نے حسین کو بدگمانی کی نظر سے دیکھا اور کہا "وہ سیر لاہوتی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان توجہ قلبی سے کام لے۔ دراصل میں نے تیرا حال دریافت کرنے کی جانب کبھی توجہ نہیں کی تھی۔"

حسین۔ مگر یہ اُمید نہ تھی کہ مجھ سے عقیدت کیش کو آپ بالکل چھوڑ دیں گے۔

علی وجودی ۔ اور حسین فتنہ کیونکر بپا ہوا یقین ہے کہ تجھے معلوم ہوگا۔ اس لیے کہ تیرے کہنے سے تاتاریوں نے میری جان چھوڑی ۔

حسین ۔ آپ کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آپ کو ہر امر ایک ادنیٰ توجہ قلبی سے معلوم ہو جاتا ہے ۔

علی وجودی ۔ اتنا جاننے پر بھی تو عالمِ ارواح کے رموز سے ناآشنا ہے جن لوگوں کو ان رموز میں کمال حاصل ہوتا ہے انھیں کو کبھی کبھی اپنی خبر نہیں رہتی سنا نہیں کہ ؎

گہے برطارمِ اعلیٰ نشینم گہے برپشتِ پائے خود نہ بینم

حسین ۔ رکن الدین خورشاہ نے مجھے جنت میں بھیجنے سے انکار کیا اور اپنے قلعہ سے نکلوا دیا جس کے بعد مجھے مایوسی تھی اور عجیب بے کسی کی حالت میں تھا۔ افسوس اس وقت آپ نے بھی خبر نہ لی مگر معاملہ دگرگوں ہونے والا تھا۔ تقدیر نے مجھے ایک شخص سے ملا دیا اور اب اس کی برکت و رہبری سے جنت سے میں پہنچا اور زمرد سے ہمکناری نصیب ہوئی افسوس کہ اب میں آپ کے مریدوں میں سے نکل گیا اور اس کے مریدوں و معتقدوں میں شامل ہو گیا ہوں ۔

علی وجودی ۔ وہ کون شخص ہے ؟

حسین ۔ تاتاریوں کا سردار ہلاکو خاں اور اس کے شرائط بہت سخت ہیں ۔

علی وجودی یہ سنتے ہی سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا "وہ شرائط کیا ہیں ؟"

حسین ۔ وہ یہ کہ آپ جیسے جتنے مکار اور سیاہ کار ملاحدہ ملیں ان کا سر تن سے اُڑا دوں ۔

علی وجودی (مسکرا کر) اور ایسے ظالمانہ احکام بجالانے میں تمہیں تامل نہیں ۔

حسین ۔ بالکل نہیں ۔ اس کا سبق تو آپ ہی سے مل چکا ہے کہ مرید کو مرشد

کے ہاتھ میں ایک بے جان آلہ کی طرح رہنا چاہیے۔ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور اس کا باطن میرے مرشد کے نزدیک بہت اچھا اور خدا کی درگاہ میں مقبول ہے۔

علی وجودی نے شرما کر اور لاجواب ہو کر سر جھکا لیا اور کہا مگر جو کچھ ہو تمہیں رحم سے کام لینا چاہیے۔ ظلم خدا کو پسند نہیں ہو سکتا۔

اس جواب سے حسین کو بہت غصہ آیا مگر اس نے ضبط کر کے اپنے تئیں روکا اور کہا بے شک ظلم خدا کو پسند نہیں ہے اور اسی وجہ سے امام نجم الدین نیشاپوری کی روح آج تک پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا خون علی وجودی کی گردن پر ہے۔ یہ سنتے ہی علی وجودی سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب اس کے دل کو ذرا سکون ہوا تو بولا "مگر میرے تمہارے ساتھ ایسے تعلقات رہ چکے ہیں کہ مجھے تم سے کسی بے رحمی کی اُمید نہیں۔"

حسین۔ امام نجم الدین نیشاپوری سے زیادہ مجھے آپ سے تعلق نہیں رہا ہے وہ میرے چچا تھے۔ استاد تھے، مرشد تھے۔

اب علی وجودی کو خوف نے اس کے اختیار سے باہر کر دیا، وہ ایک دفعہ رلتا ہوا حسین کے قدموں پر گرا اور چلّایا "رحم! رحم!!"

حسین۔ ہرگز نہیں ہزارہا پاک اور مقدس روحیں فریاد کر رہی ہیں جو یقیناً اب تمہاری نظر کے سامنے ہوں گی۔ اور تمہیں چاروں طرف سے دھمکا رہی ہوں گی اور بے شک علی وجودی کی اس وقت یہی حالت تھی۔ وہ بارہا چاروں طرف گھبرا گھبرا کر دیکھتا تھا اور ہر طرف اسے کوئی مظلوم تصویر چھریوں اور خنجروں سے دھمکاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ عین اسی حالت میں جبکہ اسے چاروں طرف چھریاں ہی چھریاں نظر آ رہی تھیں حسین نے اپنے خنجر کو کمر سے نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے کر کے کہا یہی وہ خنجر ہے جو مجھے تم سے ملا تھا اور امام نجم الدین نیشاپوری اور امام نصر بن احمد کے سینوں میں خاص تمہارے حکم اور

میرے ہاتھ سے اُتر چکا ہے یہ خنجر آج تک باقی ہے اور صرف اس لیے کہ تمہارے سینے میں خاص میرے ہاتھ سے اُتر جائے۔ اسے اچھی طرح پہچان لو اور تیار ہو جاؤ کہ انتقام کا وقت آ گیا۔ یہ کلمات سُن کر علی وجودی پھر کانپ گیا اور ڈر ڈر کر کہنے لگا "مجھے نہ مارو اب میں کبھی مذہب باطنیہ کی طرفداری نہ کروں گا۔"

حسین ۔ مگر تمہارا یہ عہد میرے دامن سے وہ خون کے دھبے نہیں چھڑا سکتا جو تمہاری سیہ کاریوں سے لگے ہیں ۔ یہ کہہ کر حسین نے علی وجودی کو زمین پر گرایا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر پھر اس کا خنجر اس کی آنکھوں کے سامنے کیا اور کہا یہ دیکھو! اور خوب پہچان لو کہ یہ وہی تمہارا خنجر ہے ۔

درحقیقت علی وجودی کی موت بری موت تھی اس وقت تمام گناہ طرح طرح کی بھیانک صورتوں کا جامہ پہن کر اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑے تھے وہ ہزار ہا مظلوم روحوں کو دیکھ رہا تھا جو خنجر دکھا دکھا کر اسے ڈرا دھمکا رہی تھیں اس نے ان تمام چیزوں سے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور حسین سے کہا "خدا کے لیے مجھے چھوڑ دے اور میری بے کسی پر رحم کھا۔"

حسین ۔ نہیں جس کے دل میں خود ہی خدا کا خوف اور ترس نہیں اس پر ترس کھانا گناہ ہے ۔

علی وجودی ۔ تو کم بخت کہیں جلدی کام تمام کر تاکہ بلاؤں سے پیچھا چھوٹے جو مجھے گھیرے ہوئے ہیں ۔

حسین ۔ میں فقط اتنے ہی کے لیے تامّل کر رہا ہوں کہ تجھے موت کی نازک اور پرخطر گھڑی کا اچھی طرح مزہ مل جائے تو تیرا کام تمام کروں ۔ اب علی وجودی بہت بے تاب تھا حسین کے نیچے دبا ہوا تھا اور حسین اس کا دیا ہوا خنجر اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا تھا ۔ جس کی ڈراؤنی صورت سے ڈر ڈر کر وہ اپنا سر ادھر ادھر ہٹا لیتا تھا۔

اور کہتا تھا خدا کے لیے اس چیز کو میری نظر کے سامنے سے دور کرو۔

آخر بڑی دیر کے بعد جب حسین نے دیکھا کہ بڑی دیر ہوگئی اور قریب قریب قلعہ کی ساری آبادی قتل ہوگئی تو اس نے بھی خنجر بھونک بھونک کر اور آزار دے دے کر علی وجودی کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سب سے بڑے بہکانے والے سے انتقام لے کے وہ پھر ہلاکو خاں کے قریب گیا۔ اب تاتاریوں کے قتل کرنے کے لیے کوئی شخص نہ ملتا تھا۔ اتنے بڑے قتل عام سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور مجنوں کتوں یا وحشی درندوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے کہ کوئی ملے تو اس کو قتل کر کے دل کا بخار نکالیں۔

سوائے چند خاص کمسن اور حسین عورتوں کے جو لونڈیاں بنانے کے لیے بچائی گئی تھیں قلعہ الموت میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

اب فرمانروائے الموت رکن الدین خورشاہ کی جستجو تھی لوگ دیر سے ڈھونڈ رہے تھے اور کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر میں ایک تاتاری تہہ خانے میں گھس کر اسے پکڑ لایا۔ جیسے ہی وہ ہلاکو خاں کے سامنے لایا گیا اور سالار کے آگے سر جھکا کر کھڑا ہوا حسین نے جھپٹ کر ارادہ کیا کہ اپنے خنجر سے اس کا کام بھی تمام کر دے۔ مگر ہلاکو خاں نے چلا کر روکا اور کئی مغلوں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہلاکو خاں۔ یہ یہاں کا بادشاہ ہے اور بے کسی کی صورت میں پناہ مانگتا ہوا آیا ہے لہذا اس کی جان بخشی کرنی چاہیے۔

حسین۔ حضور اگر یہ بچ رہا تو دنیا میں بہت بڑا فتنہ رہ جائے گا۔ یہ ساری سازشیں اور تمام خرابیاں اسی کی ذات سے تھیں۔

ہلاکو خاں۔ اب وہ سازش کرنے والے ہی نہیں رہے تو یہ کیا کرے گا سب فریبی تو خاک و خون میں لوٹ رہے ہیں یہ ایک ناتجربہ کار نوجوان دنیا کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

حسین۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی معتقد نہیں رہا ہو۔ مصر و شام سے لے کر سندھ تک ہر جگہ اس کے معتقد پھیلے ہوئے ہیں۔

ہلاکو خاں۔ میں ان مقامات میں بھی جاؤں گا۔ اور ان کے معتقدین سے دنیا کو خالی کر دوں گا مگر اس کے لیے یہی کافی ہے کہ جلا وطن کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے خورشاہ کی طرف دیکھ کر کہا "بے شک تمہارا فتنہ بہت بڑا ہے اس بے کسانہ اور عاجزانہ خاموشی پر ترس کھا کر تمہاری جان بچائی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے کہ ترکستان میں جہاں تم کو کوئی مرید و معتقد نہ مل سکے اپنی زندگی کے باقیماندہ دن بسر کرو۔ یہ جتنی عورتیں یہاں ہیں اس میں سے کوئی تمہیں نہیں دی جائے گی ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے پھر تمہارا فساد دنیا کو فریب دینے لگے۔ اور ترکستان میں جا کر تمہیں اختیار ہے کہ کسی تاتاری لڑکی سے عقد کر لینا"

اس حکم کے ساتھ ہی ایک مغلی دستے نے اسے اپنی حراست میں لے لیا۔ حسین نے النمونت کے آخری تاجدار کو بحرِ خزر کے اس پار ترکستان کے کسی گمنام گاؤں میں پہنچا دیا۔ اور یہاں جب قلعہ آدمیوں سے خالی ہو گیا تو تاتاری لٹیرے دولت لوٹنے محلوں کو کھودنے اور آگ لگانے میں مشغول ہو گئے محل اور جنت میں ہر جگہ آگ لگا دی گئی۔ وہ قصر کو شکیں کھود کر زمین کے برابر کر دی گئیں محل جو جنت بنا ہوا تھا اور جنت ہی سمجھا جاتا تھا محض مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر رہ گئے اور تاتاریوں نے انھیں آناً فاناً میں ایسا کر دیا کہ نہ کوئی رہنے والا تھا نہ رونے والا تھا۔

حسین اپنے دل کی آگ بجھا کر اور انتقام لے کر جب زمرد کے قریب گیا تو وہ نہایت ہی پریشان اور بدحواس تھی۔ وفا کیش معشوقہ کو اس قدر پریشان دیکھ کر اس نے پوچھا "زمرد اب پریشانی کس کی ہے"

زمرد۔ (رونی آواز میں) اتنا قتلِ عام ایسی خونریزی ہو چکی اور پوچھتے

ہو کہ پریشانی کس بات ہے۔

حسین۔ ان ظالموں کی تباہی پر خوش ہونا چاہیے یا غمگین۔

زمرّد۔ تم خوش ہو لو جس کا دل خدا نے پتھر کا بنایا ہے ایسا وحشتناک منظر دیکھنا کبھی میرے خیال میں بھی نہ گزرا ہوگا۔ میں ایسی حالتوں کو دیکھنے کی عادی نہیں ہوں۔

حسین۔ خیر اب بتاؤ کیا ارادہ ہے۔

شاہزادی بلقان خاتون سامنے کھڑی تھی۔ یہ جملہ سنتے ہی پاس آئی اور بولی ارادہ کیا اب تم دونوں میرے ساتھ چلو زمرد کو اپنی بہن سے زیادہ عزیز رکھوں گی اور تم کو بھی کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔

زمرّد۔ نہیں شاہزادی ہم دونوں نے بڑے گناہ کیے ہیں حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے تقدیر نے ان مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ پہلے حج کر لیں تو پھر اور کوئی کام کریں۔ اگر زندگی باقی ہے تو یہ فرض ادا کر کے ہم دونوں قرطبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے میں جب تک وہاں خاص خانۂ خدا میں اپنے لیے دعائے مغفرت نہ کروں گی اس وقت تک یہ ندامت نہ مٹے گی جو ہر وقت دل میں موجود رہتی ہے کوئی وقت نہیں گزرتا کہ نہ ستاتی ہو۔

حسین "بے شک زمرد کا کہنا ٹھیک ہے۔ میرا دل ہمیشہ مجھ پر لعنت کرتا ہے۔ شاید وہاں جا کر اور اس مقدّس مقام میں دعا کر کے یہ بات دور ہو جائے۔

بلقان خاتون۔ یہ کیونکر کہوں دل تو نہیں چاہتا کہ تم کو جدا کر دوں مگر اب تم کو اصرار ہے اور وہاں کے جانے کو اپنا فرض سمجھتے ہو تو مجھے روکنا بے فائدہ معلوم ہوتا ہے لیکن میری ایک بات مان لو۔

زمرّد۔ جو حکم ہو آپ کا ہر حکم بجالانا ہمارا فرض ہے۔

بلغان خاتون ۔ تم دونوں باہم عقد کرنے کی غرض سے نکلے تھے میں چاہتی ہوں کہ جُدا ہونے سے پہلے تم دونوں کا عقد کردوں تاکہ وطن جانے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو جائے کہ تم دونوں میں باہمی اتفاق کی صورت پیدا ہو گئی اور یہ بات یاد کر کے میں دل کو خوش کر لیا کروں گی کہ تمہاری آرزوئیں میرے ہی ہاتھ سے پوری ہوئیں ۔

یہ ایسی درخواست نہ تھی جس سے کسی کو انکار ہوتا حسین نے تو صاف الفاظ میں رضامندی ظاہر کی مگر زمرد مسکرائی اور ایک شرم کی آواز سے سر جھکا کر بولی "اب میں آپ کی لونڈی ہوں جو حکم ہو اس سے انکار نہیں کر سکتی "

دوسرے دن علی الصبح ہلاکو خاں نے فتح کی خوشی میں اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے کے لیے بڑا بھاری جشن کیا جس کے لیے فوج کے معزز افسروں کی ایک محفل مرتب کی گئی گزشتہ فتح پر بڑے جوش و خروش سے اظہارِ مسرت کیا گیا ۔ اور اسی کامیابی اور ظفر کی یاد میں بلغان خاتون کی درخواست اور ہلاکو خاں کے حکم سے شیخ نصیرالدین طوسی جیسے محقق زمانہ اور علامۂ روزگار نے جن کی تاتاریوں میں قدر و منزلت تھی اور جو اس موقعہ پر موجود تھے حسین اور زمرد کا نکاح پڑھایا ۔

اس کارروائی کے بعد سب آپس میں رخصت ہوئے ۔ بلغان خاتون نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قراقرم کا راستہ لیا ۔ ہلاکو خاں نے اپنی فوجِ ظفر موج کے ساتھ آذربائیجان کی طرف کوچ کیا ۔ حسین اور زمرد پھر اسی شان سے جس طرح پہلے گھر سے نکلے تھے ارضِ حجاز کی طرف روانہ ہوئے اور التمونت کے کھنڈروں اور ان کی تمام لاشوں پر صرف گِدھوں اور مردار خور طیور کے بڑے بڑے غول چھوڑ دیے ۔

زمرد اور حسین نے مکہ معظمہ میں پہونچ کر اور غلاف کعبہ پکڑ کے نہایت ہی رقتِ قلب اور جوشِ دل سے مغفرت کی دعا مانگی کہ ہمیں تمام گناہوں سے نجات دے اگرچہ ہم نے تیری نافرمانیاں کیں ۔ تیرے مقبول و بے گناہ بندوں کی جانیں لیں مگر ہم ایک بڑے

فریب میں مبتلا تھے، شیطان کا ہم پر اس قدر تصرف تھا کہ گناہوں کی بُرائیاں نظر میں نہ آتی تھیں ہم نے گناہ کیے مگر ثواب سمجھ کے، ہمارے قدم کو لغزشیں ہوئیں مگر ایک بڑے فریب میں مبتلا ہو کر۔ تو عالم الغیب ہے دلوں کی باتیں جانتا ہے ہماری بے کسی اور بے بسی کو دیکھ اور ان سخت گناہوں سے درگزر کر۔ اس طرح گناہوں کا زنگ دل سے مٹا کر واپس روانہ ہوئے۔ چند روز اپنے شہر آمل میں رہے اور باقیماندہ زندگی قراقرم میں جا کر شہزادی بلغان خاتون کی صحبت میں صرف کر دی۔

آزمائش کی گھڑی

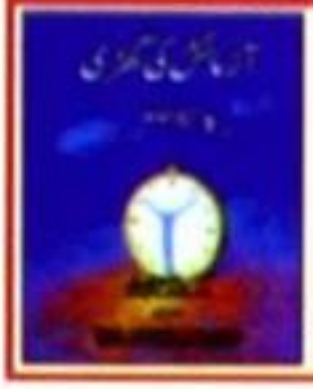

مصنف : سید حامد

صفحات : 136

قیمت : -/60 روپے

مجملہ

مصنف : یوسف ناظم

صفحات : 96

قیمت : -/50 روپے

مقررین تعلیم

مصنف : محمد اکرام خاں

صفحات : 184

قیمت : -/72 روپے

انشائیات

مصنف : سید عابد حسین

صفحات : 240

قیمت : -/84 روپے

موازنہ انیس و دبیر

مصنف : شبلی نعمانی

صفحات : 304

قیمت : -/81 روپے

سرسید سے کبریٰ تک

مرتبین : شمیم حنفی

سہیل احمد فاروقی

صفحات : 192

قیمت : -/72 روپے

انارکلی

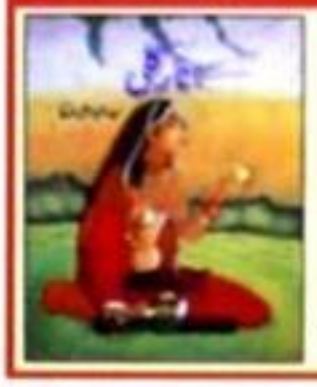

مصنف : امتیاز علی تاج

صفحات : 184

قیمت : -/60 روپے

آنکھ اور خواب کے درمیان

مصنف : ندا فاضلی

صفحات : 96

قیمت : -/50 روپے

ISBN: 978-81-7587-547-0

₹ 60/-